النبیّ اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ اُمّھاتھم
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں
اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔

ازواجِ مطہرات وبناتِ طیبات

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مدرسہ حسین بخش دہلی

مجموعہ تقاریر جمعہ مسجد مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی ۱۹۹۹ء

مفسر قرآن
حافظ سید اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

ناشر:
ادارہ رحمتِ عالم شیخ چاند، لال کنواں، دہلی ۶

النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجه امھاتھم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں
اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ھیں۔

ازواجِ مطہرات و بناتِ طیبات

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مفسرِ قرآن
مولانا حافظ سید اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

مجموعہ تقاریر جمعہ مسجد مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی ۱۹۹۹ء

ناشر:
ادارہ رحمتِ عالم شیخ چاند، لال کنواں، دہلی ۶
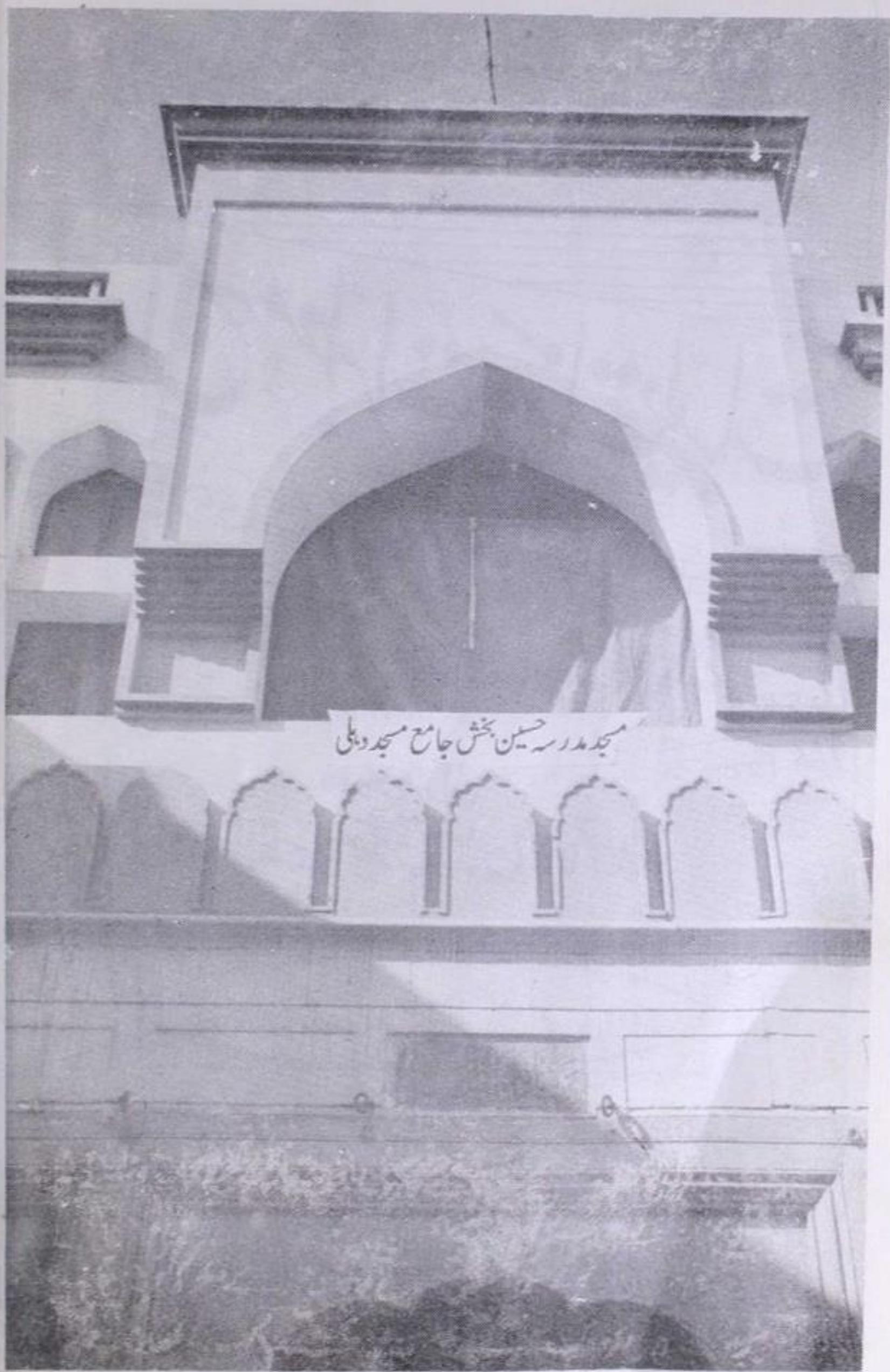
مسجد مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی

قال اللہ تعالیٰ فی شان حبیبہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
لقد جاءکم رسول من
تمہارے پاس ہمارا ایک ایسا نمائندہ آیا ہے جو (بظاہر خود) تم (سب) ہی میں سے ہے۔ وہ (تم سے ایسی
انفسکم عزیز علیہ ما عنتم
شدید محبت کرنے والا ہے کہ) تمہاری ہر پریشانی اس پر بھاری ہے (کہ میرے محبوب کو یہ گوارا نہیں کہ میری مخلوق راستے
حریص علیکم بالمؤمنین
سے بھٹک کر دوزخ کا ایندھن بنے) تم مومنوں کی بھلائی کیلئے وہ بڑے حریص ہیں اور بڑے نرم دل و مہربان ہیں
رؤف رحیم (۱۲۸)
۱۱ التوبہ
صدق اللہ العظیم

قال اللہ تعالیٰ فی شانِ حبیبہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

صدق اللہ العلی العظیم

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک ایک نظر میں!

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ربیع الاول دوشنبہ (پیر) مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۵۷۱ء صبح صادق کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔

(یکم جیٹھ سنہ ۶۲۸ بکرمی شمسی) (۸ ماہ وے سنہ ۴۰ نوشیروانی) (۱۰ ماہ ایار سنہ ۲۳۳۱ عبرانی)

- اکتالیس سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک مطابق یکم فروری سنہ ۶۱۰ء کو حضور کی بعثت ہوئی۔ اور نبوت ملی۔
- آپ نے تیرہ سال مکہ معظمہ میں تبلیغ فرمائی اور تمام دنیا کو توحید اور نیکی کا پیغام دیا۔
- ظلم وستم کی شدت پر ۵ نبوی میں انفرادی ہجرت کا حکم ہوا، اور حضور کے پندرہ رفقا حبشہ میں مقیم ہوئے
- ۷ نبوی میں مع خاندان کے مکہ معظمہ کی ایک گھاٹی شعب ابی طالب میں اسیر کیے گئے۔
- ۱۰ نبوی میں طائف کا تبلیغی سفر فرمایا اور اسی سال ماہ رجب دوشنبہ ۲۷ ویں شب کو معراج ہوئی۔
- ۱۳ نبوی ۲۷ صفر جمعہ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی!
- ۱۴ دن قبا میں قیام فرما کر دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو نور افزائے مدینہ منورہ ہوئے۔
- ۱ ہجری میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، پانچ نمازیں معراج میں فرض ہو چکی تھیں۔
- ۲ھ میں اذان کا حکم ہوا، روزے فرض ہوئے غزوۂ بدر پیش آیا۔ جس میں حق کو فیصلہ کن کامیابی نصیب ہوئی
- ۳ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی، شراب حرام ہوئی غزوۂ احد ہوا۔
- ۵ھ میں پردہ کا حکم ہوا۔ حج فرض ہوا خندق کی لڑائی ہوئی۔ ۶ھ میں قریش کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ ہوا۔
- ۷ھ میں سلاطین عالم کو خطوط کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی، ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، غزوۂ حنین وطائف پیش آئے
- ۹ھ میں تبوک کے لئے روانہ ہوئے، مگر رومی شہنشاہیت کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔
- ۱۰ھ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندانِ اسلام کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا۔
- ۱۱ھ ۲۸ صفر بدھ کے دن راستہ میں دردِ سر سے مرضِ وفات کا آغاز ہوا۔
- ۶۳ سال ۴ دن کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول پیر کو چاشت کے وقت حیاتُ النبی صلعم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔
- ۱۳ ربیع الاول کو رات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تدفین عمل میں آئی اور حضور آسودۂ رحمت ہوئے
- اس طرح آپ نے اس عالم میں ولادت سے لے کر وصال تک (۲۲۳۳۰) دن ۶ گھنٹے قیام فرمایا۔

ضروری نوٹ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کی متعدد روایتیں ہیں۔ ایک روایت ۱۲ ربیع الاول کی بھی ہے

میرا تعلیمی تعارف

• حفظ قرآن سنہ ۱۹۳۰ء	قاری فضل الدین صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی حافظ ضیاء الدین صاحب سادہ کار لال کنواں دہلی
• عربی تعلیم تا جلالین شریف ۳۴ء تا ۳۹ء	مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
• تکمیل مشکوٰۃ شریف و بیضاوی شریف تا دورۂ حدیث شریف ۴۰ء تا ۴۱ء	دار العلوم دیوبند، شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، مہتمم واستاذ حدیث مولانا محمد طیب صاحبؒ
• دورۂ تفسیر قرآن ۴۲ء	مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ انجمن خدام الدین لاہور رفیقِ کار: مولانا عبید اللہ سندھیؒ
• تربیت ترجمہ تفسیر قرآن ۴۲ء دوران تصنیف تفسیر کشف الرحمٰن	سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ مصنف تفسیر کشف الرحمٰن
• آغاز درس تفسیر صباحی ۴۲ء	لال مسجد لال کنواں دہلی، بافتتاح مولانا احمد سعید صاحبؒ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوریؒ
• دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے "فرقہ پرستی کی آگ" نامی کتابچوں پر دفعہ ۱۵۳، الیف کے چار مقدمات قائم کیے گئے جو (۶۸ء تا ۱۹۸۰ء) بارہ سال تک چلتے رہے	
• آغاز درس تفسیر شبینہ ۴۲ء	کھجور والی مسجد ترا ہا بہرام خاں، بافتتاح مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ و مولانا عبد الحنان صاحب ہزارویؒ آسودۂ رحمت احاطہ مولانا سید احمد صاحب بریلوی بالاکوٹ
• سلسلہ وعظ وخطابت ۴۵ء تدریس وتعلیم حدیث وتفسیر مدرسہ حسین بخش دہلی	مدرسہ حسین بخش دہلی (بعد از مولانا عبد الشکور صاحب دیوبندیؒ مہاجر مدنی)
• صدارت جمعیۃ علماء صوبہ دہلی ۴۶ء	
• نظامت جمعیۃ علماء ہند ۵۰ء	بہدایت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
• درس تفسیر واہتمام جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۸۲ء تا ۸۶ء	
• درس تفسیر ہفتہ وار نومبر ۸۹ء	مسجد سید رفاعی جنگلی قبر دہلی
• تصنیفات وتالیفات	علمی تاریخی اور تفسیری کتابیں تعداد ۲۰ تبلیغی کتابچے 〃 ۲۵ تحقیقی مقالات 〃 ۴۰

۱۳ نومبر سنہ ۱۹۸۹ء

تاثرات حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

قدرت نے مولانا اخلاق حسین قاسمی کو تقریر وخطابت کے ساتھ تحریر وانشاء کی ٹھوس صلاحیت سے بھی پوری طرح نوازا ہے، موصوف علمی تحقیق اور واعظانہ رنگ دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں،

محمد طیب غفرلہٗ ۵ اپریل سنہ

اہم تصنیفات مولانا اخلاق حسین قاسمی

مستند موضح قرآن
شاہ عبدالقادر صاحب
تحقیق شدہ جدید ایڈیشن
مطبوعہ کراچی

محاسن موضح قرآن
علمی اور ادبی لطائف پر مکمل تبصرہ
دو سو برس کے تراجم کا تقابلی مطالعہ
صفحات سات سو

مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت
ترجمان القرآن پر مکمل تبصرہ
صفحات چار سو

بصائر القرآن
تفسیر کے اہم (۵۰)
موضوعات پر تحقیقی مقالات
زیر طبع

فوائد الفواد
کا علمی مقام
حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات
پر مکمل تبصرہ صفحات پانچ سو

مولانا محمد اسماعیل شہید
اور ان کے ناقد
شاہ زید صاحب کا جواب

اخلاق رسول
صلی اللہ علیہ وسلم
سیرت پاک کا اخلاقی پہلو مکمل

شاہ ولی اللہؒ
اور ان کا نسبی
اور فکری خاندان

دلّی کی برادریاں
دلّی والوں کی تاریخ

اسلام میں
غیر مسلموں کے حقوق
اردو، ہندی

اسلام میں
سماج سیوا کا مقام
ہندی اور اردو میں

کنزالایمان ترجمہ
بریلوی کا علمی تجزیہ

خطبات دہلی
سیرت پاک پر
مولانا قاسمی کے خطبات

دلّی
گہوارہ محدثین
اور مصنف کا تعارف

بصائر القرآن
بصورت تفسیری کیسٹ
تعداد ۹۰

مجموعہ تقاریر جمعہ مسجد مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی ۱۹۹۹ء

نواب مرزا خان داغؔ دہلوی

تُو جو اللہ کا محبوب ہُوا، خوب ہُوا
یا نبیؐ خوب ہُوا، خوب ہُوا، خوب ہُوا

حشر میں اُمتِ عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہُوا، خوب ہوا

حُسنِ یُوسفؑ میں ترا نُور تھا، اے نورِ خُدا!
چارۂ دیدۂ یعقوبؑ ہوا، خوب ہُوا

فخر آدمؑ کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا
نبی آدمؑ سے جو منسوب ہوا، خوب ہوا

داغؔ ہے روزِ قیامت مری شرم اُسکے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا، خوب ہُوا

فہرست مضامین

مدرسہ حسین بخش، وعظ وارشاد کا قدیمی مرکز

مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی ہندوستان کا قدیم مرکز وعظ وارشاد ہے یہ مرکز ہدایت دارالعلوم دیوبند سے دس سال پہلے تعمیر کیا گیا، حویلی بختاور بیگ کی چھوٹی سی مسجد کو حاجی حسین بخش صاحب پنجابی نے توسیع دے کر اسے شاہی تعمیر کی شان وشوکت کے بنوایا۔

جامع مسجد دلی میں جب مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے شاگرد مولانا نوازش علی مرحوم کی اصلاح پسندانہ تقریروں پر روک لگائی گئی تو حاجی صاحب نے جو مولانا کے معتقد تھے۔ یہ مدرسہ بنوا کر اس میں مولانا کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کرایا۔

مولانا کے بعد جن اہل حق علماء نے اس تاریخی ممبر سے پیغام حق بلند کیا اس کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا نوازش علی صاحب۔ (۲) مولانا محمد حسین فقیرؒ شاگرد خاص مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۳) مولانا شاہ محمد کرامت اللہ خاں مجاز بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مدنیؒ۔ (۴) مولانا نور الحسن دیوبندی شاگرد شیخ الہند (۵) مولانا عبدالشکور صاحب مہاجر مدنی ابن مولانا مرحوم (۶) مولانا مرحوم کی ہجرت کے بعد اس ناچیز نے جمعہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داری اٹھائی اور رمضان المبارک کے جمعوں میں مولانا احمد سعید صاحب نے اپنے خاص مواعظ کا سلسلہ شروع کیا اس وقت تک مولانا مچھلی والان کی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔

مولانا احمد سعید صاحب نے بیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ بند کردیا اور اس ناچیز نے وعظ کا سلسلہ شروع کیا جو الحمد للہ ساٹھ سال سے جاری ہے۔

اب چند سال سے لوگوں کی دل چسپی کو کم دیکھ کر اس ناچیز نے نماز جمعہ سے پہلے مختصر تقریر کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

پیش نظر کتاب مدرسہ میں کی گئی تقریروں (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۹۹ء) کا مجموعہ ہے

ایک صاحب ذوق ان تقریروں کو ٹیپ بھی کر رہے ہیں اور وہ دوسرے خواہش مندوں کو بھی کیسٹ تیار کر کے دیتے ہیں۔

یہ کتاب جن اصحاب خیر، مدرسہ کے نمازی اور سامعین حضرات کے تعاون سے شائع کی گئی ہے ان کے اسمائے گرامی کتاب میں دیدیئے گئے ہیں۔

قارئین ان تمام اہل خیر حضرات کے حق میں پہلے اور اس ناچیز کے حق میں بعد میں دعاء خیر و فلاح فرمائیں۔

اخلاق حسین قاسمی لال کنواں دہلی۔ ۱۵/ جنوری ۲۰۰۰ء

تفسیر قرآن کی ایک اہم تصنیف!

مشکلات موضح قرآن اور مولانا شبیر احمد عثمانی

تفسیر قرآن کی اس اہم تصنیف میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حواشی کے ان مقامات کی وضاحت کی گئی جن میں مولانا عثمانی نے شاہ عبدالقادر صاحب کے بعض دقیق تفسیری حواشی کو اپنے حواشی میں شاہ صاحب کے حوالہ یا بغیر حوالہ کے نقل کیا ہے اور یا تو ان فوائد کو تشریح کے بغیر چھوڑ دیا ہے یا شاہ صاحب کے اختیار کردہ مفہوم کے خلاف ان کی تشریح کی ہے۔

مولانا عثمانی علیہ الرحمۃ عصر حاضر کے عظیم محدث و مفسر تھے لیکن ان مذکورہ تفسیری حواشی میں مولانا نے اسقدر اجمال سے کام لیا ہے کہ اُن تشریحات میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

چونکہ مولانا مرحوم کا ارادہ ایک بڑی تفسیر لکھنے کا تھا جو پورا نہ ہو سکا، ہو سکتا ہے کہ اس بڑی تفسیر میں مولانا اس ابہام کو رد فرماتے۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازواج مطہرات اور بنات طیبات کے حالات واخلاق پر مشتمل پیش نظر کتاب کا مقصد یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات (بیویوں اور بیٹیوں) کی حیات پاک کو امت کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے اسوہ حسنہ اور نمونہ زندگی کے طور نمایاں کیا جائے اور اس سوال کا جواب دیا جائے کہ رسولؐ اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ ایک کامل مرد کا اسوہ ہے اور مردوں کے لئے واجب الاتباع ہے لیکن عورتوں کی مخصوص نسوانی زندگی کے لئے کونسا نمونہ عمل ہے؟ جس کی اتباع کر کے وہ ایک اچھی بیوی، اچھی بیٹی، اچھی بہن اور اچھی بہو بن کر کامیاب زندگی گذار سکتی ہیں۔ اس سوال کا جواب اس کتاب میں دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک محرک یہ تھا کہ ابھی حال میں ایک طبی دکان کی طرف سے جنسیت کے طریقوں پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں بعض نہایت غیر مستند عربی کتابوں کے حوالوں سے انتہائی ضعیف اور موضوع احادیث اور اقوال صحابہ نقل کئے گئے ہیں اور ان میں جنسی تعلق کے نہایت غیر مہذب اور حیاء سوز طریقے رسول پاک ﷺ اور حضرات آل رسول اور حضرات صحابہ کرام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

اور یہ اسلام اور ہادیٔ اسلام کو بدنام کرنے کی اس یہودی سازش کا حصہ ہے جو سازش عبداللہ ابن سباء یہودی (منافق) کے دور سے شروع ہوئی ہے۔

بڑے بڑے عربی مصنف جو تحقیق کے بجائے صرف اپنی تشہیر چاہتے تھے ان اسرائیلی روایات کو نقل کرنے کا ارتکاب گناہ کرتے رہے ہیں۔ خدا تعالی معاف فرمائے۔

البتہ اہل تحقیق علماء نے ان رسوا کن جھوٹی روایتوں اور جھوٹے اقوال کی تردید کرنے کا برابر فرض ادا کیا ہے۔

اس کتاب کی تردید اور مذمت میں ناچیز نے اخبارات کے ذریعہ اظہار خیال کیا اور اس کے ناشر کی جسارت گستاخانہ اس درجہ دیکھنے میں آئی کہ اس کی طرف سے اٹاوہ کی عدالت میں مقدمہ قائم کر دیا گیا اور کئی سال پریشانی اٹھانی پڑی۔

چونکہ اس خرافاتی کتاب پر ناشر نے ملک کے بڑے بڑے علماء و مفتی حضرات کی تصدیق ثبت کرا رکھی تھی، اس لئے عام مسلمانوں کو دھوکہ ہوتا تھا۔

اس سے انکار نہیں کہ رسول پاک علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے ازواجی تعلقات میں فطری تقاضے موجود تھے۔

حضور علیہ السلام بھی ایک انسان تھے اور آپ کی بیویاں بھی انسان تھیں اور آپ کے ازدواجی معاملات میں فطری محبت تھیں، فطری طلب کی ادائیگی تھی میاں بیوی کے تعلقات میں دل کشی تھی، دل نوازی تھی، مگر اسی کے ساتھ نبوت اور نبوت کی حرم پاک میں انکے مقام تقوی کے مطابق شرم وحیاء تھی، ادب و وقار تھا، محبت تھی مگر تادیب و تربیت کا پورا پورا لحاظ تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حرم نبوی کی معاشرت پوری امت کیلئے اسوہ حسنہ ہے اس لئے حضور ﷺ کا حرم پاک عام میاں بیویوں کے گھریلو حالات سے بہت ممتاز تھا اور ہونا چاہئے تھا۔

پیش نظر کتاب کی ترتیب و تالیف کا ایک بڑا محرک حرم نبوت کی عصمت و عظمت کا اظہار ہے۔

قرآن کریم میں!

قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کی بیویوں کو امہات المومنین (امت کی مائیں) قرار دے کر ان مقدس ہستیوں کا احترام اور ان کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے یعنی رسول پاکؐ اہل ایمان کے روحانی باپ ہیں اسی طرح آپ کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں اور باپ کی طرح مائیں بھی احترام واتباع کی مستحق ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے اہل بیت نبوی (ازواج و آل نبی) کو مقام طہارت پر فائز قرار دے کر بھی ازواج مطہرات و آلِ مطہر کے احترام واتباع کی ہدایت فرمائی۔

ارشادات نبوی میں!

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے خطبہ میں اور واپسی میں غدیر خم کے خطبہ میں وداعی نصیحت کے طور پر فرمایا۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ فرماتے ہیں۔

رایت رسو الله صلی الله علیه وسلم فی حجة یوم عرفة وهو علی ناقة القصواء یخطب فسمعته یقول یا ایها الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی (مشکوۃ ۶۵۹ بحوالہ ترمذی)

میں نے حضورؐ کو حجۃ الوداع (آخری حج) کے موقعہ پر عرفۃ کے روز میدان عرفات میں (۹ ذی الحجہ) دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور خطبہ دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے۔

لوگو! میں نے تمہارے لئے ایسی دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم نے انکو پکڑ لیا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت اور اپنی اہل بیت۔

زید ابن ارقم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

احدهما اعظم من الآخر كتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیهما .؟

ان دونوں میں سے ایک (کتاب اللہ) دوسری (اہل بیت) سے زیادہ عظمت رکھتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے پس تم غور کرو کہ میرے بعد اہل بیت رسول کے معاملہ میں میری نیابت وجانشینی کس طرح کروگے۔؟

یعنی میرے اچھے جانشین ہوگے یاناخلف جانشین ہوگے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کروگے یابراسلوک کروگے، اس پر غور کرو!

زید ابن ارقم ہی نے خطبہ غدیر خم کی تقریر روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضورؐ نے خداتعالی حمد و ثنا اور اس کے ذکر اور مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے بعد فرمایا۔

الا ایھاالناس انما انا بشر یوشك ان یاتینی رسول ربی فاجیب وانا تارك فیکم الثقلین اولھا کتاب الله فیه الهدی والنور فخذوا بکتاب الله واستمسکوا به فحث علی کتاب الله ورغب فیه ثم قال واهل بیتی اُذکرکم لله فی اهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی.

اے لوگو! میں ایک بشر ہوں، قریب ہے میرے پاس میرے پروردگار کا قاصد پہنچے اور خدا کا پیغام ملاقات پہنچائے، پھر میں اسے قبول کرلوں گا، لہذا میں تم میں دو بھاری بھرکم اور بیش قیمت چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔

ایک کتاب اللہ، جس میں نور اور ہدایت ہے تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور اس پر عمل کرو، آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی خوب ترغیب دی اور اس کی پیروی پر تیار کیا۔

پھر فرمایا، دوسری چیز میری اہل بیت ہے میں تمہیں اپنی اہل بیت کے معاملہ میں خدا کا خوف دلاتے ہوئے یہ نصیحت کر رہا ہوں، یہ فقرہ حضور نے دو بار فرمایا یعنی میری اہل بیت کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو میں خود کرتا ہوں۔

اہل بیت میں ازواج مطہرات اور آل رسول دونوں داخل ہیں، ہاں حضورؐ نے ایک حدیث میں اپنی آل وعزت کو اہل بیت کی عظمت وطہارت (سورہ احزاب ۳۳) کا خاص طور پر مستحق قرار دیا۔ جیسا کہ حضورؐ نے اپنی کمبلی میں چاروں افراد (علی، فاطمہؓ، حسن وحسین) کو چھپا کر فرمایا۔

اللهم هولا اهل بيتي و خاصتي (ابن کثیر ص ۴۸۳)

اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت اور میرے خاص گھر والے۔

ایک طبقہ نے آل نبی کے ساتھ محبت وعقیدت کا غلو اختیار کر کے اس محترم طبقہ کو عام امت سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

جیسا کہ حضرت امام زین العابدین (علی ابن حسینؓ) فرماتے تھے۔

"خدارا! ہمارے ساتھ اسلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق محبت کرو تم لوگوں کی غلط محبت ہمارے لئے شرم وندامت کا سبب بن گئی ہے۔ (ابن سعد جلد ۵ ص ۱۵۹)

ایک موقعہ پر فرمایا۔

"خدا کی قسم! تم لوگ ہمارے متعلق شریعت کے خلاف ایسی ایسی باتیں کہتے ہو کہ لوگوں کی نظروں میں ہم مبغوض ہو گئے ہیں یعنی لوگ تمہاری خلاف شریعت عقیدت کی وجہ سے ہم سے محبت کرنے کے بجائے نفرت کرنے لگے ہیں۔ (ابن سعد ایضاً)

امام زین العابدینؓ کے فضل وکمال کے بارے میں مسلم شریف کے شارح امام نووی اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

"ہر حیثیت سے اور ہر میدان میں امام محترم کی جلالت اور عظمت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ (جلد اول ص ۳۴۳)

لیکن غلو پسند طبقہ کی مخالفت میں حضرات ائمہ اہل بیت سے عقیدت نہ رکھنا بھی بدنصیبی کی بات ہے۔ اس کتاب میں اس ناچیز مولف نے حدیث و تاریخ کی مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے، کتابوں کے حوالے جہاں ضروری سمجھا ہے وہاں تحریر کر دیتے ہیں۔

دعاء ہے کہ حضرت حق تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہماری ماں، بہنوں اور بیٹیوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اخلاق حسین قاسمی
یکم رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
مطابق ۲۴؍ دسمبر ۱۹۹۹ء

نوازشِ دلِ ما کن کہ دل نواز توئی

میرے دل پر بھی کرم ہو کہ دلوں کو نوازنا آپ کی فطرت ہے

بساز کارِ غریباں کہ کارساز توئی

ہم غریبوں کا کام بھی بنا دیں کہ کارسازی آپ ہی فرماتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کریم میں حضورؐ کے اوصاف ثلاثہ

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ ۱۲۸)

اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس تکلیف میں تم گرفتار ہوتے ہو وہ اس پر شاق گذرتی ہے، تمہاری ہر پریشانی اسے پریشانی میں ڈال دیتی ہے اور وہ تمہاری بھلائی کا بہت خواہش مند ہے، اور اہل ایمان کے حق میں بڑا مہربان ہے۔

عنت کے معنی ہر تکلیف دہ بات (لقائکم المکروہ) اور عزیز کے معنی بھاری، گراں اور شاق یعنی اس مصیبت کا شدید احساس ہوتا ہے جیسے وہ تکلیف خود اس کی ذات کو پہنچ رہی ہے۔ وہ نبی اپنی امت کی اور ہر شخص کی دنیوی اور اخروی بھلائی کا خواہش مند ہے وہ چاہتا ہے کہ خدا کے بندوں کو ہر طرح کی بھلائی اور نفع پہنچے اور ہر طرح کی برائی سے خدا کے بندے محفوظ رہیں یعنی اس کے دل میں خیر وہدایت کی حرص ہے۔

خطاب خاص بھی، عام بھی!

خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رسول اعظم علیہ السلام کی رسالت ورحمت کا اعلان کیا ہے اور بڑے جامع اسلوب میں کیا ہے۔

اس اعلان میں خطاب خاص (قریش عرب کے لئے) اور خطاب عام (تمام انسان کے لئے) دونوں پہلو موجود ہیں۔

خطاب خاص کی تشریح کرتے ہوئے کسرا (فارس کا حکمراں) کے دربار میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ قاصد رسول نے اور حضرت جعفر ابن ابی طالب نے

نجاشی (حاکم حبشہ) کے دربار میں یہ کہا۔

ان اللہ بعث فینا رسولا منا نعرف نسبهٗ وصفته ومدخله ومخرجه وصدقه وامانته.

اے شاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں وہ رسول بھیجا ہے جس کا حسب نسب اور اس کے اوصاف و حالات اور اس کا اٹھنا، بیٹھنا اور اس کی سچائی اور امانت داری کا ہم (اہل عرب) کو علم ہے اور ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

یعنی حضورؐ کے نسب و حسب اور اخلاق حمیدہ کے اپنی قوم میں مسلم اور مشہور ہونے سے آپ کا تعارف کرایا گیا۔

خطاب عام!

خطاب عام کے پہلو سے اس اعلان کا وہی مطلب ہے جو حسب ذیل آیت میں ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ (کہف ۱۱۰) آپ اعلان فرمادیں کہ اے لوگو! میں (عام انسانی اوصاف میں) تم ہی جیسا ایک انسان ہوں، البتہ علم الٰہی (وحی) کا حامل ہونے کی وجہ سے تم سب سے ممتاز اور منفرد ہوں۔

مذکورہ آیت (توبہ) میں تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے دو اوصاف دردمندی اور ہمدردی عام ہیں۔ تیسری صفت کو اہل ایمان کے ساتھ محدود کر کے اسے خاص کر دیا گیا ہے۔ تیسری صفت کی تخصیص (بالمومنین) قرینہ ہے اس بات کا کہ پہلے دو اوصاف عام نہیں حضور علیہ السلام کے اس مقام خاص کا واضح اسلوب میں وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ (انبیاء ۱۰۷) اور وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ (سباء ۲۷) کی آیات میں اعلان کیا گیا ہے۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا

ہے اور آپ کی رسالت وہدایت تمام نوع انسانی کے لئے کافی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے اپنی تفسیر میں حضورؐ کے رحمت عام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ بعثنی رحمۃ مہداۃ بعثت برفع آخرین وخفض آخرین۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت کا انسانوں کے لئے ہدیہ خاص (احسان عظیم) بنا کر بھیجا ہے۔

اطاعت گذار قوم کی سربلندی کے لئے اور نافرماں قوم کی پستی اور زوال کے لئے یعنی میرے پیغام کی رحمت کسی قوم کے لئے خاص نہیں ہے، جو قوم بھی اسلام کی فرماں برداری کرے گی وہ سربلند وسرفراز ہوگی۔

ابوبکر صدیق اور بلال حبشی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سردار قریش ابوبکر صدیق کی مصیبت کا بھی احساس تھا اور حبش کے بلال اور روم کے صہیب و عمار کی مصیبت کا بھی اتنا ہی احساس تھا۔

ابوہریرہ یمنی کی بھوک بھی آپ کو بے قرار کردیتی تھی اور اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ کبریٰ کی بھوک سے بھی آپ بے قرار ہوجاتے تھے۔

اصحاب صفہ کی بے سروسامانی بھی آپ پر گراں تھی، بھاری تھی اور اپنی آل (آل رسول اور ازواج رسول) کی غربت بھی آپ کو پریشان رکھتی تھی۔

احساس سے آگے عملی اسوہ!

فطری طور پر کسی مصیبت اور تکلیف کا احساس کسی انسان کو اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب وہ انسان خود اس مصیبت میں گرفتار ہوچکا ہو اور عملی طور پر اس کا

مزا چکھ چکا ہو۔

خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مادی، جسمانی اور ذہنی اور قلبی تکلیف کے ہر حال سے گذارا، ہر تکلیف کا مزا چکھایا، تا کہ آپ کی زندگی دکھ اور سکھ کا مکمل نمونہ بن جائے۔

لوگوں کی گمراہی پر آپ کے اندر احساس کی شدت کا یہ حال قرآن کریم نے بیان کیا ہے **فلعلك باخع نفسك علىٰ آثارهم ان لم يومنوا بهذا الحديث اسفا** (کہف ٦)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! شاید آپ لوگوں کے ایمان نہ لانے پر افسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔

اسوہ اہل بیت، اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے کردار و عمل کو بہترین نمونہ (اسوہ حسنہ) قرار دیا ہے۔ (احزاب ۲۱)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مرد کامل کی زندگی ہے، نسوانی زندگی کے جو خاص معاشرتی پہلو ہیں ان کے لئے رسول پاک کی عملی زندگی نمونہ نہیں ہو سکتی تھی البتہ حضور علیہ السلام کے قولی ارشادات اور احادیث پاک میں مرد اور عورت کی زندگی کے ہر پہلو کا اور میاں بیوی، بیٹی بہن اور ساس نندوں کے حقوق و فرائض کا مکمل ہدایت نامہ موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ عملی طور پر ایک بیوی، ایک بہو اور بیٹی کے لئے زندگی کا جو بہترین طریقہ ہو سکتا ہے وہ ایک مرد کی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی اسوۂ حسنہ کی تکمیل کا یہ

انتظام کیا کہ آپ کی اہل بیت (گھر والوں) کی عملی زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیدیا، اور آپ کی اہل بیت میں ازواج مطہرات اور آل اطہار دونوں کو شامل کر دیا۔

یہ فطری بات ہے کہ مرد کی عملی زندگی ایک مرد ہی کی زندگی ہوتی ہے، نسوانی زندگی کے عملی تقاضوں سے مرد کی زندگی کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اس کمی سے مرد کے مرتبہ و مقام میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔

فطرت اور قدرت نے دونوں کو اپنے اپنے دائرہ میں عظمت کا مقام عطاء کیا ہے۔

قرآن کریم میں نبوت کے بعد اہل بیت نبوت (ازواج و عترت) کے مقام مقتدائیت اور مقام پیشوائیت کو مختلف تعبیروں میں بیان کیا ہے۔

قرآن کریم میں ازواج مطہرات کی خصوصیات

(۱) اہل ایمان کی قابل احترام مائیں۔

قرآن کریم نے ازواج مطہرات کو عظمت و حرمت کا وہ انتہائی مقام عطاء کیا کہ انہیں ایمان والوں کی "ماں" قرار دیا، احزاب (۶) میں فرمایا۔

النبی اولٰی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے ان کی اپنی جانوں کے مقابلہ میں زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ زیادہ محبت رکھتے ہیں، زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔

اس آیت کریمہ کا اسلوب و پیرایہ یہ بتا رہا ہے کہ خدا تعالی نبی کی بیویوں کی عظمت کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔

کیونکہ مرتبہ کے اعتبار سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ نبی باپ ہیں ایمان والوں کے

اس پیرایہ بیان سے یہ مفہوم لازم خود بخود نکل آتا ہے کہ نبی کی بیویاں ماں ہیں ایمان والوں کی۔

اب اس پیرایہ میں اللہ تعالی نے نبی کی بیویوں کے مرتبہ (امیت، ماں ہونے) کو نمایاں کر کے ان کی اہمیت ظاہر کی، کیونکہ سلسلہ بیان کا تقاضا یہی ہے۔

اللہ تعالی ان آیات میں یہ بتانا چاہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح حرام کر دیا گیا، جس طرح ہر شخص پر اس کی مائیں حرام ہیں، اسی طرح ازواج مطہرات کی حرمت کا معاملہ ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے پہلے فقرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی باپ ہونے کا اعلان ہے بلکہ باپ سے بھی زیادہ وسیع محبت و حق والا (اولی) ہونے کا بیان ہے اور دوسرے فقرہ میں آپ کی ازواج مطہرات کے ماں ہونے کا اعلان ہے۔

اس تاویل کے مطابق اوپر والے نکتہ کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی اور آیت میں نبی علیہ السلام کے باپ ہونے اور آپ کی ازواج کے ماں ہونے کا ایک ساتھ اعلان واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قرأت میں وھو اب لھم (اور وہ نبی ان کے باپ ہیں) زیادہ ہے۔ لیکن قرأت مشہورہ میں یہ فقرہ اسی لئے نہیں شامل کیا گیا کہ اس کا مفہوم اولیٰ میں موجود ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے آب حیات میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی وجود کے اعتبار سے حیات ہیں، اسلئے ان کی بیویاں ایک زندہ شوہر کی بیویاں تھیں یعنی رانڈ نہیں تھیں۔ اس لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا حرام تھا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ حرمت نکاح ان کے احترام

واعزاز کی وجہ سے ہے۔

(۲) ازواج مطہرات کا درجہ طہارت!

قرآن کریم نے ازواج مطہرات کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں پاک صاف اور پاکیزہ و مطہر رکھے گا۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا

(احزاب ۳۳) اے نبی کے گھر والوں! اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ تم سے ہر قسم کے میل کچیل کو دور رکھے گا اور تمہیں مکمل پاکی عطاء کرے گا۔

سلسلہ بیان کے اعتبار سے اس جگہ اھل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں لیکن اس دائرہ میں حضور علیہ السلام کی آل و عترت بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

اللھم ھولاء اھل بیتی واھل بیتی احق.

حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسن و حسین کو اپنی چادر پاک میں ڈھانک کر حضورؐ نے یہ فرمایا۔

الٰہی! یہ ہیں میری اہل بیت اور اہل بیت ہونے کے زیادہ حق دار۔ (ابن کثیر ثالث ۴۸۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان اس لئے فرمایا کہ آیت مذکورہ کے سیاق و سباق کی وجہ سے کہیں لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ میری آل و عترت اس بشارت میں داخل نہیں ہے۔

طہارت کا اعلیٰ ترین مقام!

اس عظیم بشارت میں طہارت سے عام قسم کی پاکی مراد نہیں ہے بلکہ اس بشارت میں قرآن کریم نے پہلے فقرہ (لیذھب) میں منفی پیرایہ اختیار کیا اور دوسرے فقرہ میں مثبت پیرایہ (ویطہر کم) اختیار کیا اور پھر تطہیرا مفعول مطلق (تاکید کے لئے) لایا گیا، اس طرح اس بشارت میں تاکید کی قوت پیدا ہو گئی اور یہ مفہوم پیدا ہوا کہ خدا تعالیٰ اہل بیت رسول (ازواج و آل) کو جسم و جان کی اور روح و قلب کی مکمل پاکیزگی عطاء کرے گا۔

اس پاکیزگی میں تصفیہ قلب، تہذیب نفس اور تزکیہ باطن کی تمام پاکیزگیاں شامل ہیں۔

پاکیزگی کا یہ درجہ نبوت کے بعد صدیقین اور کامل اولیاء اللہ اور مقربین بارگاہِ خداوندی کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے۔

نبی و رسول کی پاکی عصمت کہلاتی ہے یعنی تکوینی طہارت نفس صرف حضرات انبیاء کا مقام ہوتا ہے، کامل درجہ کے اہل اللہ (صدیق وولی) کا اصطلاحی درجہ محفوظ کہلاتا ہے۔

فرقہ شیعہ اس آیت کی بشارت (تطہیر) کو عصمت (تکوینی) قرار دیتا ہے، اور تمام ائمہ اہل بیت کو نبی و رسول کی طرح معصوم کہتا ہے۔ لیکن علماء اہل سنت اور جمہور امت مسلمہ اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتی۔

(۳) ازواج مطہرات کی نیکیوں کا دگنا ثواب۔

قرآن کریم نے احزاب (۳۱) میں فرمایا۔

ومن يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحا نؤتها اجرها مرتين واعتدنا لها رزقا كريما.

اے ازواج مطہرات! تم میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مکمل فرماں برداری اور رسول پاک کی مکمل اطاعت کرے گا تو ہم اسے دوہرا اجر عطا کریں گے اور ہم نے ان کے لئے آخرت میں باعزت روزی تیار کر رکھی ہے۔

اس کے بعد کہا۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الخ

اے نبی کی عورتو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری پر قائم رہو۔

قرآن کریم نے ان آیات میں شاہانہ انداز خطاب اختیار کیا ہے، یعنی ایک شہنشاہ اپنی رعایا سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا، ایسا کیا تو ہم تمہیں بڑے اعزاز و کرام سے نوازیں گے۔

اس خطاب شاہانہ میں در اصل بشارت وخوش خبری دی جارہی ہے اور لوگوں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان اور عمل اور تقویٰ وبشارت کے اس مقام پر فائز ہیں جس مقام پر دوسری عورتیں فائز نہیں ہیں۔

ازواج مطہرات کو تقویٰ وطہارت کی یہ تاکید اس لئے کی جارہی ہے کہ یہ مقدس خواتین امت کی مائیں ہیں اور ماں باپ کی زندگی اولاد کے لئے نمونہ عمل ہوتی ہے اس لئے ماں باپ پر حسن عمل کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔

خطاب شاہانہ کی ایک مثال!

ازواج مطہرات سے اس موقعہ پر خطاب کیا گیا۔

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین و کان ذالک علی الله یسیرا (۳۰)

اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو کھل کر برائی کرے گا تو اسے دوگنی سزاء دی جائے گی اور اللہ تعالی کے لئے یہ آسان ہے۔

اس خطاب قرآنی کا یہ مطلب نہیں کہ ازواج مطہرات سے برائیاں سرزد ہوئیں، بلکہ یہ خطاب قرآن کریم کے اسلوب شاہانہ سے تعلق رکھتا ہے اور ازواج رسول کے محترم طبقہ کو سنا کر امت کی خواتین کو ہوشیار کرنا اس اسلوب کا حقیقی مقصد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس شاہانہ اور حاکمانہ انداز تخاطب کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔

ولولا ان ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اذالاذقنٰک ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لک علینا نصیرا (۷۵)

اے محمد! اگر ہم تمہیں نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان مشرکین کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے، لیکن اس وقت ہم تمہیں دنیا اور آخرت میں اس سزاء کا دوگنا مزا چکھاتے اور تم ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

اللہ اکبر، کس قدر شاہانہ جبروت کے ساتھ اپنے محبوب نبیؐ کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس جلال و جبروت میں بھی بڑی احتیاط کی جا رہی ہے کدتَ کہا، یعنی قریب تھا، وقوع نہیں ہوا، ترکن، رکن کے معنی معمولی جھکاؤ، پھر شیئا قلیلا کہا یعنی بہت تھوڑا۔

اس اسلوب عبارت میں جھکاؤ کو کم سے کم قرار دیا یعنی نہ ہونے کے برابر کیونکہ اس خطاب جلالت کا مقصد محض اپنے محبوب نبیؐ کے مقابلہ میں اپنی شان جلالت کا اظہار ہے، نبی پاک کے اندر اس کمزوری کے وقوع کا اظہار مقصود نہیں

قرآن کریم اس طرز تخاطب سے امت کے دل میں خوف وخشیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اس موقعہ پر لکھتے ہیں۔

''مومن کو چاہئے کہ ان آیات کی تلاوت کرتے وقت دوزانو بیٹھ کر انتہائی خوف وخشیت کے ساتھ حق تعالٰی کی شان جلال وجبروت پر غور کرے اور وہی کہے جو حضورؐ نے اس موقعہ پر کہا۔''

اللهم لا تكلني الى نفسي طرفة عين

اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجو یعنی ہمیشہ مجھے اپنی حفاظت میں رکھیو۔

دوہرے ثواب کا وعدہ!

دوہرے اجر (اجرتین) کا وعدہ بعض احادیث میں دوسرے اہل ایمان کے لئے بھی آیا ہے مگر یہ وعدہ ایک خاص وعدہ ہے کیونکہ یہ وعدہ ازواج مطہرات سے کیا گیا ہے۔

اس نسبت پاک کی وجہ سے ازواج مطہرات کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا ہے اس کی عظمت ہی الگ ہے، یہی وجہ ہے کہ دوہرے اجر کے وعدہ کے بعد رزق کریم کا وعدہ بھی شامل کیا گیا۔

اس مزید بشارت نے دوہرے اجر کے وعدہ کو خصوصی درجہ دیدیا، یہ چاروں خصوصی فضائل تمام ازواج مطہرات کے اندر یکساں طور پر موجود تھے ان کے علاوہ مختلف ازواج مطہرات میں الگ الگ جو خوبیاں تھیں وہ ان کے حالات میں بیان کی جائیں گی۔

انعامات الٰہیہ اور حضرت خدیجہ کبریٰ!

والضحیٰ والیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلی وللاخرة خیر لك من الاولیٰ ولسوف یعطیك ربك فترضی الم یجدك یتیما فاویٰ ووجدك ضآلاً فهدیٰ ووجدك عائلا فاغنی فاما الیتیم فلا تقهر واما السآئل ولا تنهر واما بنعمة ربك فحدث

گواہ ہے دن کی روشنی اور گواہ ہے اس کے بعد آنے والی رات اور اس رات کے اندھیرے کا پھیلاؤ کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چند روز (۲۵ دن عن ابن عباس) وحی الٰہی کا موقوف رہنا اس وجہ سے نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا یا وہ آپ سے ناراض ہو گیا بلکہ اس کی مصلحت یہ ہے کہ پہلی وحی کے نزول سے آپ پر اضطراب کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ دور ہو جائے اور آپ کچھ سکون حاصل کر کے آئندہ کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔

نظامِ فطرت میں دن کی سرگرمیوں کے بعد رات کی نیند کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وجعلنا نومکم سباتا وجعلنا اللیل لباسا (نباء ۹۔۱۰)

ہم نے تمہاری نیند کو تھکان دور کرنے کا ذریعہ بنایا اور رات کو پردہ پوش قرار دیا۔

نبی علیہ السلام کو تسلی دینے کے بعد آپ کو شاندار مستقبل کی بشارت دی اور اس کے بعد ماضی میں کیے گئے تین انعامات یاد دلائے گئے۔

اس اہم ترین سورت میں قرآن کریم نے جو اسلوب بلیغ اختیار کیا اس پر غور

کرو۔ یہ سورۃ الف مقصورہ کے قافیہ میں ترتیب دی گئی اس لئے والضحیٰ کو واللیل پر مقدم کیا گیا، حالانکہ نظام فطرت میں واللیل (رات) والضحی (دن) پر مقدم ہے جیسے اس سے پہلی سورہ میں ہے۔

واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلی قسم ہے رات کی جب وہ دن کو ڈھانک لے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے۔

اس سورۃ میں والضحیٰ کو مقدم کرکے حضورؐ کے روز روشن کی طرح شاندار مستقبل کی طرف اشارہ کیا گیا، سورۃ کے بنیادی مقصد کے لحاظ سے والضحی کی تقدیم ہی مناسب تھی۔

آیت (۹) اور دس کا قافیہ بدل دیا گیا اور الف کی جگہ (راء) کا قافیہ لایا گیا کیونکہ یہ دونوں آیتیں یاددہانی کے بعد حکم پر مشتمل ہیں۔

آخری آیت میں عموم کے ساتھ تمام انعامات کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس کا قافیہ ((د، ث) لایا گیا، اور اوپر کے قافیوں سے الگ کر دیا گیا۔

تشریحی ترجمہ!

اے نبی! آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا اور یہ حقیقت آپ یاد رکھیں کہ آپ کا ہر آنے والا دور پہلے دور سے زیادہ شاندار ہو گا اور خدا تعالیٰ آپ کو حق و صداقت کی اتنی دولت عطاء کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے اور ظاہری اقبال اور سیاسی شوکت کی اتنی بارش ہو گی کہ تھوڑی مدت (۲۳سال) کے اندر سارا عرب آپ کے زیر نگیں ہو جائے گا۔

آپ یاد کریں کہ کیا خدا تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانا عطاء کیا اور آپ کو بے خبر پایا پھر ہدایت بخشی اور آپ کو نادار پایا پھر آپ کو غنی کر دیا۔

پس ان انعامات کی شکر گذاری میں آپ یتیم کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں اور سائل کو نہ جھڑکیں اور اپنے پروردگار کی اس بے شمار نعمت کا اظہار کریں۔

ماضی کے انعامات!

ازواج مطہرات کے تذکرہ کی مناسبت سے اس سورۃ میں ماضی کے جن انعامات کی یاددہانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائی گئی ان کی تفصیل کی جارہی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) حضور علیہ السلام کی یتیمی اور کفالت!

اللہ تعالی نے حضورؐ کو اپنی پہلی نعمت اور پہلا انعام یہ یاد دلایا کہ آپ یتیم تھے خدا تعالی نے آپکی کفالت کا ظاہری اسباب میں یہ انتظام کیا، جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی بطن مادر (حضرت آمنہؓ) میں تھے کہ آپ کے جوان العمر (۱۸ سالہ) والد جناب عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔

پھر اس در یتیم کی کفالت کا شرف ان کے دادا جناب شیبۃ الحمد (عرف عبدالمطلب) کو حاصل ہوا۔ یہ اس در یتیم کا پہلا ظاہری ٹھکانا تھا۔

حضور علیہ السلام چھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ وفات پا گئیں، آٹھ سال کی عمر ہوئی تو آپ کے دادا بھی وفات پاگئے اور پھر جناب ابو طالب (حضرت عبداللہ کے سگے بھائی) نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق بیالیس سال آپ کو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور ہر قسم کی مدد کی۔

یہ آپ کا عالم اسباب میں دوسرا ٹھکانہ تھا۔

ابو طالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال!

نبوت کے دسویں (۱۰) سال جناب ابو طالب کا سایہ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور اسی سال حضرت خدیجہ بھی وفات پا گئیں۔

اس وقت آپ کی عمر شریف پچاس (۵۰) سال کی تھی۔

عالم اسباب کے ان دونوں سہاروں کی وفات کا سال مسلمانوں کے اندر عام الحزن والملال (رنج و غم کا سال) کے نام سے مشہور ہوا۔

اب خدا کا رسول اپنے حقیقی سہارے (ذات حق) پر دین کی دعوت کا فرض ادا کرتا رہا اور یہ دور آپ کا تیرہ سال تک یعنی وفات (۶۳) سال تک قائم رہا اور اس دور میں آپ کی زندگی میدان جہاد کے مجاہدانہ کارناموں میں گذری۔

(۲) رضاعت وحضانت!

ایک شیر خوار بچہ کے لئے رضاعت (دودھ پینا) اس کی زندگی کا بڑا سہارا ہے حضور علیہ السلام کو چند دن آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے دودھ پلایا، اس کے بعد آپ کے چچا ابو لہب کی آزاد کردہ باندی ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کو لے گئیں حضرت حلیمہ نے عرب کے دستور کے مطابق دو سال حضور کو دودھ پلایا اور آپ کو حضرت آمنہؓ کی خدمت میں لے آئیں۔

اس سال مکہ میں بیماریاں پھیل رہی تھی اور اسی کے ساتھ حضرت حلیمہ بھی حضور کو ابھی پاس رکھنا چاہتی تھیں۔

چنانچہ حضرت حلیمہ کی درخواست پر حضرت آمنہ نے حضور کو حلیمہ کے پاس رہنے کی اجازت دیدی اور حلیمہ اس برکت ورحمت کو اپنے گھر واپس لانے میں کامیاب ہو گئیں۔

رضاعت کی مدت ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُو تین سال مزید قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ کی سرپرستی کو شرف عطاء کرتے رہے۔

ولادت کے پانچویں سال حضرت حلیمہ کے پاس ہی شق صدر کا واقعہ پیش آیا اور اس واقعہ سے حضرت حلیمہ گھبرا گئیں اور آپ کو حضرت آمنہ کے پاس پہنچا گئیں۔

حضرت آمنہ کے آغوش محبت میں رہتے ہوئے ایک سال ہی گذرا تھا کہ حضرت آمنہ نے اپنے شوہر حضرت عبداللہ کے مزار کی زیارت کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور ایک ماہ تک مدینہ میں قیام کرکے واپس ہو گئیں۔

اس سفر میں آپ کے خسر حضرت عبدالمطلب اور حضرت ام ایمن (حضرت آمنہ کی کنیز) بھی آپ کے ساتھ تھیں۔

واپسی میں حضرت آمنہ بیمار ہوگئیں اور اس بیماری نے راستہ ہی میں آپ کو خدا سے ملا دیا اور بوڑھے دادا اپنے کم سن پوتے کو ساتھ لیکر مکہ واپس آگئے۔

(۲) بے خبری کے بعد ہدایت سے سر فراز کیا۔

خدا تعالیٰ نے حضور کو اپنے دوسرے انعام کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ ملت ابراہیمی سے اصولی طور پر باخبر اور بہرہ مند ہونے کے باوجود ملت ابراہیمی کی مکمل صورت (قرآن حکیم) سے بے خبر تھے پھر آپ کو قرآن کریم کے مکمل ہدایت نامہ سے سر فراز کیا۔

ضالا فھدیٰ میں ضل ضلالت کے معنی ناواقفیت اور بے خبری کے ہیں اور ہدایت کے معنی علم و خبر سے بہرہ مند کرنے کے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے بنی ہاشم کے جس خاندانی ماحول میں آنکھیں کھولیں اس ماحول میں ملت ابراہیمی کے آثار باقی تھے۔

توحید و آخرت کا یقین اور نماز، خیرات اور حج بیت اللہ کی عبادات قریش

کے اس برگزیدہ خانداں میں خصوصیت کے ساتھ زندہ تھیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ۱۲۱ میں اہل جاہلیت کی مذہبی حالت پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ شرک و معصیت میں آلودگی (جو قریش کے فاسق و فاجر طبقہ میں زیادہ پھیلی ہوئی تھی) کے باوجود قریش میں ملت ابراہیمی کے باقیات نظر آتے تھے۔

اور قریش میں بنی ہاشم کا قبیلہ ہر لحاظ سے ممتاز و مشرف تھا۔

علامہ کاندھلوی لکھتے ہیں۔

قال الماوردی فی کتاب اعلام النبوۃ واذا اختبرت حال نبہ صلی اللہ علیہ وسلم وعرفت طھارۃ مولدہ علمت انہ سلالۃ آباء کرام لیس فیھم مترذل بل کلھم سادۃ قادۃ وشرف النسب وطھارۃ المولد من شروط النبوۃ انتھی

ماوردی اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تو نے آنحضرتؐ کے نسب مطیب کا حال معلوم کرلیا اور آپؐ کی طہارت نسب کو خوب پہچان لیا تو ضرور اس بات کا یقین کرلے گا کہ حضور پرنور کے آباء کرام اور اجداد عظام کا سلالہ اور خلاصہ ہیں اور کوئی شخص بھی آپ کے سلسلہ آباء میں رذیل اور کمینہ نہیں، سب کے سب سردار اور سید اور قائد و رہنما ہیں اور نسب اور طہارت ولادت، شرائط نبوت میں سے ہے۔ ۱۲

حضورؐ کے تمام آباؤ اجداد اپنے زمانہ کے عقلاء اور حکماء اور سادات عظام اور قائدین کرام تھے۔ فہم و فراست حسن صورت اور حسن سیرت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال حلم اور بردباری اور جود و کرم و مہمان نوازی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ہر عزت و رفعت اور سیادت و وجاہت کے ماویٰ اور ملجا تھے اور سلسلہ

نسب کے آباء کرام میں بہت سوں کے متعلق تو احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے معلوم ہو چکا کہ ملت ابراہیمی پر تھے (جیسا کہ گذر چکا) اور جن آباؤ واجداد کے ملت ابراہیمی پر ہونے کی احادیث میں تصریح نہیں ان کے احوال ان کے صحیح الفطرت اور سلیم الطبیعت ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ جلد اول ص ۵۰)

بے خبری کا مطلب کیا ہے؟

وہ ذات اقدس ہونے والا نبی اعظم، جس نے توحید و آخرت کا یقین اور اعمال صالحہ کی تربیت اپنے خاندان سے ورثہ میں پائی اس کی طرف بے خبری کی نسبت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ دین کامل (اسلام) جو ملت ابراہیمی کی تکمیل کرنے والا ہے اور تکمیل کے ساتھ اسے دنیا کا آخری مقبول و کامیاب مذہب بنانے والا ہے وہ قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوگا، اس سے ابھی آپ بے خبر تھے، آپ پر قرآن کریم نازل کر کے اس دین حق سے آپ کو باخبر کیا گیا۔

یہی مطلب سورہ شوریٰ آیت (۵۳) کا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحاً مِّنْ اَمْرِنَا مَاكُنْتَ تَدْرِيْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْراً نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اور پہلے رسولوں کی طرح ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر قرآن (جو روح وحیات ہے) نازل کیا اپنے حکم سے، اس سے قبل آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (قرآن) کیا ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان (عملی یعنی اسلام) کیا ہے؟

لیکن ہم نے اس قرآن کوایک روشنی بنایا، جسکے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ پر چلاتے ہیں اور اے نبی! بے شک آپ بھی لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے اور بتاتے ہیں۔

(۳) تیسرا انعام حضور کی ناداری پھر تونگری!

''ہم نے آپ کو نادار پایا پھر تونگر کردیا'' امام فخر الدین رازی اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

وللہ تعالی اغناہ بتربیۃ ابی طالب و کا اختل احوال ابی طالب اغناہ بمال خدیجہ ولما اختل ذالك اغناہ بمال ابی بکر ولما اختل ذالك امرہ بالھجرۃ واغناہ با عانۃ الافصار ثم امر بالجھاد واغناہ بالغنائم

وان کان انماحصل بعد نزول ھذہ السورۃ لکن لما کان ذالك معلوم الوقوع کان کالواقع''

یعنی اللہ تعالی نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی اور خوش حال کردیا، پہلے جناب ابو طالب کی کفالت وسر پرستی سے۔ پھر ابو طالب کے حالات کمزور ہوئے تو پھر خدیجہ کبریٰ کے مال سے غنی کیا، پھر جب حضرت خدیجہ کے مالی حالات متاثر ہوئے تو ابو بکر صدیق کے مالی تعاون سے غنی کیا۔ اور جب ابو بکر کا مالی تعاون کمزور پڑا تو آپ کو ہجرت کا حکم دیدیا گیا اور مدینہ منورہ کے انصار کرام کے تعاون نے سہارا دیا اور پھر حضور علیہ السلام کو جہاد کا حکم دیدیا گیا اور اب مال غنیمت سے آپ کو مدد حاصل ہوئی۔

امام لکھتے ہیں کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی اس وقت تو صرف حضرت خدیجہ اور ابو طالب کا تعاون حضور کے شامل حال تھا اس کے بعد تعاون کی جو

صورتیں پیش آئیں ان کی طرف یہ پیشگی اشارہ بطور پیشین گوئی تھا۔
فرماتے ہیں کہ بعد کے حالات چونکہ یقینی تھے اس لئے انہیں امر واقعہ کے طور پر آیت کی بشارت میں شامل کیا گیا۔

حضرت ابو بکر کی سخاوت!

امام رازی نے اس بحث میں حضرت ابو بکر صدیق کی سخاوت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے:
ایک روز حضورؐ حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے، آپ بہت مغموم تھے حضرت خدیجہ نے پوچھا، کیابات ہے آپ کیوں مغموم ہیں، فرمایا
الزمان زمان قحط فان انا بذلت ينفد مالك قاستحی منك و ان انا لم ابذل اخاف الله.
فدعت قريشا وفيهم ابوبكر الصديق، قال الصديق فاخرجت دنانير وصبتها حتى بلغت مبلغا لم يقع بصرى على من كان جالساً قدامى لكثرة المال ثم قالت (خدیجہ)
اشهدوا ان هذا المال ماله ان شاء فرقه و ان شاء امسكه
(کبیر ۴۸۔۶۰)
آپ نے اپنے مغموم ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
اے خدیجہ! اس وقت مکہ میں قحط پڑا ہوا ہے، اس مصیبت میں اگر میں تیرا مال خرچ کروں گا تو وہ ختم ہو جائے گا اور اگر خاموشی اختیار کروں گا تو اللہ تعالی سے ڈرتا ہوں کہ وہ ناراض ہو جائے گا حضرت خدیجہ نے حضور علیہ السلام کی پریشانی دیکھ کر قریش کے عمائدین کو بلایا، ان میں ابو بکر بھی تھے، آپ نے مکہ

والوں کی پریشانی ان کے سامنے رکھی حضرت ابو بکر نے فرمایا۔

میں اپنی ساری دولت پیش کرتا ہوں اور اسے پانی کی طرح بہانے کے لئے تیار ہوں یہاں تک کہ کوئی سامنے بیٹھنے والا ضرورتمند اس سے محروم نہ رہے۔ ابو بکر کی شان سخاوت دیکھ کر حضرت خدیجہ کو بھی جوش آگیا اور آپ نے فرمایا۔

اشھدوا الخ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میری تمام دولت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ اگر چاہیں تو تمام دولت لٹادیں اور اگر چاہیں تو روکے رکھیں۔ انہیں میری دولت پر پورا اختیار حاصل ہے۔

اہل دولت صحابہ کے ہدایا!

حضرت خدیجہؓ اور ابو بکر صدیق کے علاوہ دوسرے دولت مند تاجر صحابہ بھی آپ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے تھے، یہاں تک کہ غریب صحابہ بھی عقیدتمندی کے جذبہ سے ہدایا پیش کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ کار نبوت میں ہمہ تن مشغول رہنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام گذر معاش کے لئے بکریاں چرانے، مضاربت اور شراکت کے طور پر خدیجہ کبریٰ کے تجارتی کاررواں کے ساتھ جانے، چچا ابو طالب کی دکان (مکہ کے بازار میں) پر بیٹھنے اور مکہ کے تجارتی میلوں (عکاظ) میں اپنے مال کی تھڑیاں لگانے سے قاصر تھے، اور اپنے رفقاء کے ہدایا سے آپ کا کام چلتا تھا۔

ان اجری الا علی اللہ (یونس ۷۲) میں تم سے دعوت دین کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا بدلہ اور میرا اجر اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔

اس اعلان میں اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

یہ ہدایا جہاں آپ کے کام آتے وہیں حضور علیہ السلام ان ہدیوں اور عطیوں

سے اپنے غریب صحابہ (فقراء مہاجرین) کی ضرورتیں پوری کرتے بلکہ ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے۔ کیوں کہ آپ کی فطرت یہ تھی۔

عزیز علیہ ماعنتم (توبہ) اے لوگو! تم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے جس تکلیف میں تم مبتلا ہوتے ہو وہ تکلیف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گذرتی ہے، وہ رسول تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔

غنی کا مطلب کیا ہے؟

اللہ تعالی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناداری سے غنی بنانے کا اعلان کیا ہے۔؟

غنی کا ترجمہ۔ تونگر، مالدار اور بے نیاز کیا جاتا ہے، لیکن حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ "محظوظ" کے عربی لفظ سے کیا ہے۔

لکھتے ہیں "مفلس پایا پھر محظوظ کیا"

شاہ صاحب نے اپنے عام طریقہ (اردو، ہندوستانی) کے الفاظ لانے کے بجائے عربی کا ایک خاص لفظ ترجمہ میں لکھا۔ اس کی خاص وجہ ہے۔

شاہ صاحب نے بقرہ کی آیت (نمبر ۲۷۴) یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف یعنی ان خوددار ضرورت مندوں (اصحاب صفہ) کو ایک انجان آدمی ان کی خودداری کی وجہ سے محظوظ خیال کرتا ہے۔

قرآن کریم میں حظ کا لفظ ذو حظ عظیم (فصلت ۳۵) آیا ہے، شاہ صاحب نے اس جگہ اس لفظ کا ترجمہ قسمت کیا ہے یعنی برائی کے جواب میں بھلائی کرنا بڑے نصیبے والوں کا کام ہے، یہ بڑی اقبال مندی کی بات ہے۔

شاہ صاحب نے غنی کا ترجمہ محظوظ اسی مفہوم میں کیا ہے یعنی ہم نے آپ کو اے نبی! ناداری کے بعد بڑا خوش اقبال اور خوش حال بنا دیا۔

اب اس محظوظ کے لفظ میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی اور اس لفظ کے ذریعہ غنی کے مفہوم میں مال و دولت، روحانی سعادت اور سیاسی شان و شوکت کی تمام صورتیں شامل ہو گئیں۔

شاہ صاحب نے غناء کی تعریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو سامنے رکھا۔ آپ نے فرمایا۔

لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس

غنا مال و دولت کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ نفس کا غناء اصلی غناء ہے یعنی جس کا دل غنی ہے دراصل وہی غنی ہے، "دل کا غنی وہ ہے جس کے دل میں قناعت ہو۔ غربت کے باوجود ایک مالدار سے زیادہ سیر چشم ہو، سخاوت اور فیاضی کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ایک روٹی میں ہر ضرورت مند کو شریک کرنے کا جذبہ اس کے اندر موجود ہو یہ ہے دل کا غنی"

غنی اللہ تعالیٰ کی صفت!

غنی اور صمد دونوں لفظ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں شامل ہیں اور یہ دونوں صفتیں ایسی ہیں جنکا اردو کے دو لفظوں میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بیان القرآن میں غنی کے عربی لفظ کا ترجمہ اردو کے کسی لفظ سے نہیں کیا بلکہ غنی کا ترجمہ غنی ہی کے عربی لفظ سے کیا۔ عام پر دونوں لفظوں کا ترجمہ بے نیاز اور بے پرواہ کیا جاتا ہے حالانکہ بے نیازی یعنی کسی کا محتاج نہ ہونا یہ صرف منفی پہلو ہے اس کا مثبت پہلو بھی ہے یعنی وہ محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔

خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غنی کہہ کر اپنی صفت غناء کا مظہر اور شان

بے نیازی اور شان کریمی کا پرتو قرار دیا ہے۔

یارب تو کریمے وحبیب تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

رسول اکرم ﷺ کی بیویوں کا اسوۂ طیبہ!

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات اور پاک باز اور پاک طینت بیویوں کے اسوۂ طیبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ امت کی ان ماؤں نے اپنے شوہر کے ساتھ دکھ سکھ کی زندگی گذاری اور اپنے رسول شوہر کے مشن و مقصد یعنی دعوتِ دین کے کاموں میں انہیں ہر قسم کا اطمینان مہیا کیا، دین کی راہ میں پہنچنے والے مصائب میں شریک رہیں اور نازک وقت پر نہایت مناسب مشورہ دیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم منصب دعوت پر فائز ہونے کے بعد پورا وقت دعوتِ دین میں صرف فرماتے تھے، اللہ تعالی نے آپ کو کسب حلال کے فریضہ سے سبک دوش کر رکھا تھا اور گذر معاش اللہ تعالی کے خصوصی فضل و کرم کے ذریعہ انجام پاتا تھا، اس کے باوجود بعض ازواج مطہرات گھریلو محنت کرتی تھیں اور گھر کے خرچہ میں تعاون کا فرض ادا کرتی تھیں جیسے حضرت زینب بنت خزیمہؓ۔ سوتیلی اولاد کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ لیکن آپ کی ازواج مطہرات نے اس معاملہ میں بھی شرافت اور رفاقت کا بہترین نمونہ پیش کیا اور حضور علیہ السلام کو اپنی اولاد (بیٹیوں اور نواسوں) کی طرف سے کسی قسم کی ذہنی اذیت نہیں پہنچائی اور سوتیلی ماؤں سے رشک وحسد کی جو عام شکایت ہوتی ہے وہ شکایت پیدا نہیں ہونے دی۔

رسول پاک ﷺ کی بیٹیوں کا اسوۂ طیبہ

رسول اکرم ﷺ کی بیٹیوں کا اسوہ طیبہ اجمالی طور پر اس طرح بیان کیا

جاسکتا ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں میں بعض نے اپنی سسرال والوں اور اپنے شوہروں کے ظلم و ستم برداشت کئے اور بعض نے گھریلو زندگی کی غربت برداشت کی اور اس پر صبر کیا اور اپنے محبوب باپ کے پاس آکر شکوی و شکایت کی زبان نہیں کھولی اور اپنے باپ کے صبر و تحمل میں ان کے ساتھ تعاون کیا۔

تفصیل کے ساتھ آگے آرہا ہے۔

حضرت خدیجہ کبریٰ کی خصوصیات!

عام طور پر مصنفین نے حضرت خدیجہ کبریٰ کے بڑے تاجر ہونے اور ان کی بڑی تجارت کو ان کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالی نے جس رشتہ کو اپنا انعام قرار دیا ہے وہ رشتہ صرف ایک بڑی قریشی تاجرہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اہم نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی حضرت خدیجہ کبریٰ میں چند خصوصیات موجود تھیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت خدیجہ کی نسبی فضیلت!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش عرب میں ایک عالی نسب قریشی تھے اور ضرورت تھی کہ آپ کی پہلی رفیقہ حیات بھی اسی درجہ کی عالی حسب و نسب کی خاتون ہوں جن سے رسول عربی علیہ السلام کی نسل چلنے والی تھی اور وہ حضرت خدیجہ کبری تھیں۔

حضرت خدیجہ حضورؐ کے تیسرے جد بزرگ قصی ابن کلاب پر آپ کے ساتھ شریک نسب ہو جاتی ہیں، قصی قریش کے وہ مدبر اور بلند کردار سردار تھے جنہوں نے قریش عرب (اولاد اسماعیل) کے بکھرے ہوئے مختلف حصوں کو منظم کر کے انہیں عرب کی ایک مضبوط طاقت بنایا۔

حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان بھی قریش کی قُصیّ شاخ سے تعلق رکھتی تھیں مگر حضورؐ کے ساتھ انہیں اتنا نسبی قرب حاصل نہ تھا جتنا حضرت خدیجہ کو حاصل تھا۔

(۲) علم و فضل کی خصوصیات!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جد اعلی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ملت ابراہیمی کی روشنی سے منور دل و دماغ اور صالح کردار کے مالک تھے اور ضروری تھا کہ آپ کی رفیقہ حیات بھی ملت ابراہیمی کی فکری اور عملی خوبیوں سے آراستہ ہو۔

قرآن کریم نے عربوں کی جن اعتقادی اور عملی برائیوں پر تنقید کی ہے ان برائیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان محفوظ تھا، حضور کی ذات اقدس نبوت کی فطری ذہنی اور عملی سعادتوں سے بہرہ مند ہونے کے علاوہ اپنے خاندانی ماحول کے ایمانی اور اخلاقی اثرات کا بھی کامل نمونہ تھی۔ اس لیے خداوند عالم نے آپ کی رفیقہ حیات بننے کے لئے ایک ایسی خاتون کا انتخاب کیا جو ایک علمی خاندان کی تربیت یافتہ تھی۔

حضرت خدیجہ کے چچا ورقہ ابن نوفل مکہ کے بڑے صاحب علم بزرگ تھے آپ توراۃ انجیل کے عالم تھے، توراۃ کی سریانی زبان کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے، آپ نے قریشی عوام کی بت پرستی سے کنارہ کر کے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

ورقہ کی مذہبی بصیرت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے حضورؐ کی زبان سے آپ پر گزرنے والے واقعات (غار حراء) سنکر ہی یہ کہدیا تھا۔

یا ابن اخی ھذا الناموس الذی انزل اللہ علی موسی یالیتنی فیھا

جذعا یالیتنی اکون حیااذ یخرجك قومك فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم او مخرجی هم؟ قال نعم لم یات رجل قط بمثل ماجئت به الاعودی وانی یدرکنی یومك انصرك نصراً موزراً ثم لم ینشب ورقه ان توفی (مشکوۃ ۵۲۲ بحوالہ متفق علیہ)

یعنی اے بھتیجے! اے کاش میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش، میں اس وقت زندہ ہوتا جب تم کو تمہاری قوم وطن سے بے وطن کرتی، حضورؐ نے تعجب سے فرمایا کیا میری قوم مجھے وطن سے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا، ہاں، تم سے پہلے جو خدا کا رسول وہ پیغام (توحید) لایا جو تم لائے تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی اس وقت کو اگر میں نے پایا تو میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا لیکن ورقہ وفات پاگئے۔

اس خاندان میں نبوت اور تاریخ نبوت کے بارے میں اتنا علم وشعور تھا۔ حضرت خدیجہ کبریٰ نے خود بھی حضورؐ کی زبان مبارک سے سنتے ہی جو الفاظ کہے، اور جن الفاظ میں آپ کو تسلی دی وہ بتا رہے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے اندر بھی نبوت ورسالت کے بارے میں شعور موجود تھا۔

کمالاتِ نبوت کا ظہور!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کے نازل ہونے اور منصب نبوت پر باضابطہ فائز ہونے کا زمانہ جس قدر قریب آرہا تھا اسی قدر آپ کے روحانی اخلاقی کمالات واکرامات کا ظہور بڑھتا جارہا تھا اور آپ کی منفرد شخصیت پورے عرب ماحول میں نمایاں ہوتی جارہی تھی۔

اسی سلسلہ میں حضرت خدیجہ کبریٰ کے غلام میسرہ اپنے ساتھی (محمدؐ) کے جو حالات تجارتی سفر میں دیکھتے تھے وہ واپس آکر اپنی مالکہ حضرت خدیجہ کو سناتے تھے۔

تجارتی لین دین میں حضورؐ کی شیریں گفتاری، گاہکوں کو اپنے اثر میں لینے کا کامیاب انداز، روئے مبارک کے انوار کی کشش، پیشانی مبارک پر اقبال مندی کے جاذب توجہ (اپنی طرف متوجہ کرنے والے) آثار۔

یہ تمام امتیازات میسرہ دیکھتے تھے اور اپنی مالکہ کے سامنے پیش کرتے تھے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے اونٹ پر دھوپ سے بچنے کے لئے ابر کا سایہ، شام کے سفر میں ایک گرجا کے پادری نسطورا راہب کی پیشین گوئی کہ یہ نوجوان اپنی پیشانی میں نبوت کے نورانی آثار رکھتا ہے۔

اس پیشین گوئی کے علاوہ جناب ابو طالب کی ہمراہی میں شام کے سفر میں بحیرا نامی راہب کی پیشین گوئی کا چرچا بھی عام طور پر مکہ معظمہ میں ہوتا رہتا تھا جو حضرت خدیجہ کے کانوں میں بھی پڑتا تھا۔

(۳) حضرت خدیجہ کبریٰ کی مالداری!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت سنبھالنے سے پہلے تجارت کا مشغلہ اختیار کیا جو قریش عرب کا قدیم مشغلہ تھا۔

آپ نے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی اسفار کئے چچا کی دکان (مکہ) پر بیٹھے، مکہ کے تجارتی میلوں میں اپنی دکان لگائی، بکریاں چرانے کا مشغلہ بھی رہا۔

اس طرح حضورؐ بحیثیت ایک تاجر "امین" یعنی ایمان دار تاجر کے مشہور تھے اسی شہرت کی وجہ سے حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنے تجارتی معاملات میں شرکت کی دعوت دی اور آپ نے خدیجہ کبری کے غلام میسرہ کے ساتھ باہر جانا شروع کر دیا، خدیجہ کبری کو حضور کی شکل میں ایک ذمہ دار سرپرست مل گیا۔

حضرت خدیجہ نے محمد ابن عبداللہ کی تاجرانہ صلاحیت، دیانت داری معاملہ

داری اور حسن اخلاق کی صفات کو اپنے غلام میسرہ سے سنا اور خود آپ کو پرکھا اور پھر آپ کو پیغام نکاح بھیج دیا اور یہ رشتہ قائم ہو گیا۔

ایک شاگرد کے دل میں اگر اپنے استاد کے لئے محبت اور عقیدت نہ ہو تو وہ اس استاد سے علمی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ رسمی طور پر کتابیں پڑھنے لگے تو وہ الگ بات ہے۔

اسی طرح ایک مرشد اور طالب فیض اس شیخ و مرشد سے فیض کی توقع نہیں کرسکتا جس کا دل اس کی عقیدت سے خالی ہو۔

(۴) عیال داری کا تجربہ، خدائی مصلحت!

ایک بیوہ عورت میں گھر داری کا جو تجربہ ہوتا ہے اور گھریلو نشیب و فراز کو برداشت کرنے کی جو قوت ہوتی ہے اس سے ایک نوعمر کنواری عورت خالی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بال بچوں کی پرورش کے پہلو سے اگر دیکھا جائے تو حضرت خدیجہ کبریٰ حضورؐ کی بہترین رفیقہ حیات ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ماں باپ کی طرف سے ہی در یتیم نہ تھے بلکہ بہن بھائی کے اور ماموں اور خالاؤں کے رشتوں میں بھی یتیم تھے اور یہ رشتے عیال داری میں بہت کام آتے ہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے تجارتی اسفار میں رہتے تھے اور نبوت کے بعد تبلیغ و دعوت کی مصروفیت آپ کے دن اور رات کو گھیرے رہتی تھی ایسے مصروف باپ کی اولاد کی پرورش کا انتظام بھی قدرت کو کرنا تھا اور یہ کفالت حضرت خدیجہ کے تین بچوں نے کی جو آپ کے پہلے دو شوہروں سے تھی آپ کے دو لڑکے ہند اور ہالہ ابوہالہ ابن زرارہ تمیمی سے تھے اور ایک لڑکی ہند

عتیق ابن عائذ مخزومی سے تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کو حضرت خدیجہ کبریٰ کے یہ بچے اپنے حقیقی بہن بھائیوں کی طرح سمجھتے تھے، کیونکہ حضورؐ نے بھی اپنے ان گیلڑ بچوں کو بھی سگی اولاد کی طرح پیار دیا تھا۔

اس محترم بیوہ عورت کے ساتھ رشتہ نکاح کی یہ بھی بڑی مصلحت تھی۔

حضورؐ کے صاحبزادے (گیلڑ) ہالہ اپنے محبوب باپ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ انہوں نے حضورؐ کے حلیہ مبارک کی ایک ایک ادا نہایت فصیح و بلیغ زبان میں بیان کیا ہے اور حضورؐ کے ظاہری حلیہ اور چہرہ مہرہ کی اتنی حسین اور مکمل تصویر کسی صحابی سے منقول نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ بچے تھے، چار لڑکیاں، حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ اور دو لڑکے قاسم اور عبد اللہ (جو زمانہ طفولیت ہی میں خدا کو پیارے ہوگئے) یہ تمام بچے حضرت خدیجہ کے بطن مبارک سے تھے اور ان کی پرورش میں حضرت خدیجہ کے ان بچوں نے بھرپور حصہ لیا۔

یہ تینوں بچے، ہند، ہالہ اور ہندہ (لڑکی) مشرف باسلام ہوئے۔

(۵) حضرت خدیجہ کبریٰ کی بیوگی!

حضرت خدیجہ کبریٰ کی بیوگی کو میں نے ان کے فضائل و خصائص میں شمار کیا ہے کیونکہ خدیجہ کبریٰ کی بیوگی ہونے والے نبی کے کام آئی اور نبوت کے بعد سب سے بڑے نبی کے کار نبوت اور مشن نبوت میں کام آئی۔

عام انسانی معاشرہ میں عورت کا بیوہ ہونا اس کا نقص اور اس کا عیب سمجھا جاتا ہے، لیکن دنیا کی یہ واحد خاتون تھیں جنکا بیوہ ہونا ان کے حق میں کمال بن گیا۔

حق کی مدد کرنا جس درجہ میں بھی ہو وہ قابل تعریف ہے۔

مینڈک ہمیشہ تعریف کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے منہ میں پانی بھر بھر کر آتش نمرود کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔

وہ ابابیل (چھوٹی چھوٹی چڑیاں) کلام الٰہی میں تعریف کے ساتھ یاد کی جاتی ہیں جنہوں نے اپنی چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں لے کر دشمن بیت اللہ کے ہاتھیوں پر برسائیں اور انہیں ہلاک کر دیا۔

اصحاب کہف کا کتا ہمیشہ تعریف کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے جس نے ان اہل حق کا آخر وقت تک ساتھ دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کی ایک بیوہ خاتون کے ساتھ ازدواجی رشتہ چند مصلحتوں پر قائم تھا۔

(۱) قریش کے ایک جوان العمر، کامل قوی اور جمیل صورت وشکل رکھنے والے صاحب حسب ونسب تاجر الامین کے لئے بڑی بڑی خاندانی اور دولت مند بن بیاہی خواتین موجود تھیں مگر اس مرد کامل نے (خدائی اشارہ کے مطابق) ایک بیوہ خاتون کو جو اس سے پندرہ سال بڑی تھیں، پسند کیا۔ اس میں مصلحت خداوندی یہ تھی کہ دنیا دیکھ لے کہ ہونے والے نبی کے اندر ضبط نفس کی اخلاقی قوت کتنی ہے۔؟

اور یہ قوت اسی انسان کامل میں ہو سکتی ہے جو ازدواجی رشتہ کو ایک فطری اور معاشرتی ضرورت کے طور پر انجام دیتا ہے، عیش نفس اس کا مقصد نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری مصلحت خداوندی یہ تھی کہ نبی کی ازدواجی زندگی ایک بیوہ کے ساتھ شروع ہو اور زندگی کا پرجوش اور ولولہ انگیز دور ایک بیوہ کے ساتھ گزرے اور پھر نبی کی ازدواجی زندگی کا یہ حصہ لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ بن جائے

اسی طرح ایک بن بیاہی (کنواری) خاتون کے ساتھ ازدواجی تعلق کا نمونہ بھی نبی کی زندگی میں موجود ہو، اس لئے حضورؐ کی ازدواجی زندگی حضرت عائشہ کے ساتھ بھی گذری، جو کنواری تھیں۔

اب ازدواجی زندگی کے یہ دو پہلو ہوئے

(۱) ایک پرجوش جوان ایک عمر رسیدہ خاتون کے ساتھ محبت و خوش گواری کی زندگی کس طرح گذارے؟ اور اس رشتہ سے اپنے آپ کو ہر طرح کیوں کر مطمئن رکھے؟

(۲) ایک پرجوش عمر سے نکل کر معتدل جذبات کے دور میں داخل ہونے والے شوہر اپنی (باکرہ) جوان العمر رفیقہ حیات کو ہر طرح خوش رکھنے کے لئے کیا روش و رویہ اختیار کرے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی میں ان دونوں معاشرتی پہلوؤں کا نمونہ موجود ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ان دونوں فطری (جنسی) مصلحتوں کے پورا ہونے میں آپ کی بیوہ رفیقہ حیات حضرت خدیجہ کبریٰ اور آپ کی کنواری (باکرہ) رفیقہ حیات حضرت عائشہ صدیقہ کے طرز عمل کا بھی بھرپور حصہ تھا۔

حضور علیہ السلام کی ازدواجی زندگی کی گہرائیوں میں یہ دونوں باتیں نظر آتی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی کھلی کر کتاب کی طرح تھی اور زندگی کا ہر حصہ امت کے لئے اسوہ حسنہ تھا اندرون خانہ آپ جو کچھ تھے وہ بیرون خانہ والوں کو معلوم ہو جاتا تھا۔ سوائے ان باتوں کے جنکا پوشیدہ رکھنا شریعت اور فطرت دونوں کے نزدیک ضروری تھا۔

طبی نقطہ نگاہ سے!

طبی نقطہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں باتیں صاف صاف نظر آتی ہیں پہلی بات یہ کہ اگر شوہر اپنی رفیقہ حیات سے ذہنی طور پر مطمئن اور آسودہ نہ ہو تو اس کی اولاد عقل وذہن میں کمزور ہوتی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ظاہری اور باطنی قوتوں میں درجہ کمال کی مالک تھی جسمانی قوت میں شجاعت اور روحانی قوت میں امامت ان کی امتیازی شان تھی، اسی طرح اگر بیوی اپنے شوہر سے محبت نہ کرے اور اس کی عظمت اس کے دل میں نہ ہو تو وہ اپنے شوہر سے نہ علم وفضل کی دولت حاصل کر سکتی ہے اور نہ وہ اپنے صاحب روحانیت شوہر کی روحانی نورانیت سے فیضیاب ہو سکتی ہے۔

نبوت سے پہلے نبوت کے آثار کا مشاہدہ!

حضرت خدیجہ ایک عام دانش ور خاتون ہی نہیں تھیں بلکہ آپ اس امت کے پہلے صدیق کے مرتبہ پر فائز ہونے والی صاحب عرفان باطن خاتون تھیں اور آپ کا روحانی ادراک اور وجدانی احساس منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے آپ کے اندر نبوت کے ان آثار کو قریب سے دیکھتا اور محسوس کرتا تھا۔

حضرت خدیجہ اپنے شوہر کے اندر روحانی کشش اور اخلاقی محبوبیت (جمال ظاہری کی کشش کے علاوہ) کا جو باطنی مشاہدہ کرتیں اس سے کبھی کبھی ان کا جذبہ شوق بھڑک اٹھتا۔

چنانچہ ایک روز جب آپ گھر میں تشریف لائے تو حضرت خدیجہ نے

نہایت والہانہ جذبہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لیا اور آپ کے مبارک ہاتھ کو اپنے سینے اور حلقوم کے درمیان حصہ کے ساتھ لگا لیا

"فاخذت بیدہ فضمتھا الی صدرھا ونحرھا"

پھر فرمایا

بابی وامی واللہ ما افعل ھذا بشی ولکن ارجو ان تکون انت النبی.

میرے ماں باپ قرباں ہوں میں یہ فعل تعظیم اس لئے کر رہی ہوں کہ

الذی ستبعث فان تکن ھو فاعرف حقی ومنزلتی وادع الا لہ الذی یبعثك لی قالت لھا واللہ لئن کنت انا ھو قد اصطنعت عندی مالا اضیعہ ابدا وان یکن غیری فان الا لہ الذی تضعین ھذا العمل لایضیعك ابداً

(بخاری باب ترویج النبی ﷺ خدیجہ وفضلھا)

مجھ کو یہ امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کیلئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کرے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احتمال کے ساتھ جواب دیا یقین کے ساتھ کیسے جواب دے سکتے تھے جب تک وحی الٰہی کے نزول کی منزل نہ آتی؟

زبیر بن بکار راوی ہیں کہ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں ورقہ یہ جواب دیتے۔

ما اراه الا نبی هذه الامة الذی بشربه موسیٰ وعیسیٰ — میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے جاکر آپ کا حال بیان کیا تو ورقہ نے ایک قصیدہ کہا جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هذی خدیجة تاتینی لاخبرها وما لنا بخفی الغیب من خبر

بان احمد یاتیه فیخبره جبریل انك مبعوث الی البشر

یہ خدیجہ بار بار میرے پاس آتی ہے کہ میں اس کو خبر دوں اور مجھ کو غیب کی خبر نہیں کہ جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیام لیکر آئیں گے کہ آپ لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

فقلت علی الذی ترجین ینجزه لك الا ترجی الخیر وانتظری

ورقہ کہتے ہیں میں نے خدیجہ کو جواب دیا کہ عجب نہیں کہ جس کی تو امید کرتی ہے اللہ اس کو پورا کرے تو اللہ سے امید لگائے رکھ اور اس کی منتظر رہ ورقہ کے یہ اشعار مستدرک میں بھی مذکور ہیں۔

ورقہ کے اور بھی قصائد ہیں جن سے ورقہ کے اشتیاق اور انتظار کا پتہ چلتا ہے۔

مصنف سیرۃ المصطفیٰ کا سہو!

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مصنف سیرۃ المصطفیٰ نے بخاری اور فتح الباری کے حوالہ سے حضرت خدیجہ کبریٰ کی حضور علیہ السلام کے ساتھ عقیدت کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں واقعہ کی ابتداء ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

فاخذت بیده فضمتها الی صدرها ونحرها

مولانا مرحوم نے روایت کے ان الفاظ کو نقل نہیں کیا البتہ اس عبارت کا

ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے حضرت خدیجہ دیکھتے ہی لپٹ گئیں اور سینے سے لگالیا اور کہا (سیرۃ المصطفیٰ جلد دوم ص ۲۴۴)

اس کے بعد مولانا نے بابی وامی واللہ الخ سے روایت کے الفاظ نقل فرمائے یہ ناچیز اس بات کی جرأت تو نہیں کر سکتا کہ مولانا مرحوم نے اصل روایت کے وہ الفاظ قصداً نقل نہیں فرمائے کیونکہ مولانا حضرت خدیجہ کی والہانہ محبت دکھانے کے لئے سینے سے لپٹنے اور سینہ سے لگانے کا منظر دکھانا چاہتے تھے؟

البتہ اسے مولانا کا سہو ونسیان ضرور کہا جائے گا۔

راوی نے اصل واقعہ میں حضرت خدیجہ کی جو شائستگی تھی وہ بیان کی اور یہ بتایا کہ حضرت خدیجہ نے حضور کا دست مبارک اپنے سینے اور حلقوم کے درمیانی حصہ سے لگایا۔

حضرت خدیجہ نے ایک شائستہ بیوی ہونے کے سبب سے اپنے شوہر کا ہاتھ اپنے سینے سے نہیں لگایا بلکہ سینے سے اوپر حلقوم کے قریب والے حصہ سے لگایا، صاحب واقعہ تو اتنی احتیاط کر رہی ہیں اور مصنف مرحوم بے تکلفی کا اپنی طرف سے وہ منظر دکھا رہے ہے؟

شاید مصنف علیہ الرحمہ کا خیال اس طرف چلا گیا کہ یہ واقعہ میاں بیوی کی خلوت کا ہے، جس میں ایک بیوی سے اس قسم کی بے تکلفی سرزد ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ جلوت کا ہے جس کا ایک دیکھنے والا موجود ہے اور وہ اسے نقل کر رہا ہے۔

بے شک یہ واقعہ عہد جاہلیت کا ہے لیکن جس گھرانے (محمد ابن عبداللہ) سے اس واقعہ کا تعلق ہے وہ عرب کے اشراف کا نہایت شائستہ اور مہذب گھرانہ

تھا، جس میں میاں بیوی کے درمیان بھی کھلے طور پر ایسی حرکت کا صادر ہونا ممکن نہیں تھا۔

حضرت خدیجہ کا ایمان، ایک صدیقہ کا ایمان تھا

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ اول الایمان اور سابق الاسلام ہیں اور آپ اپنے ایمان واسلام میں صدیق وصادق کے مرتبہ پر فائز ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے لکھاہے کہ نبی وہ ہے جس پر وحی الٰہی نازل ہو اور صدیق وہ ہے جو اپنے باطنی علم اور روحانی ادراک سے وحی الٰہی کی تصدیق کرے، حضرت خدیجہ کی تصدیق اسی مرتبہ کی تھی۔

وہ ام المومنین جو خواتین جنت کی سردار فاطمۃ الزہرا کی ماں اور گلہائے محمدیؐ امام حسن و حسین کی نانی اور آل رسول کا مطہر و معنبر سلسلہ جن سے جاری ہونے والا تھا وہ اسی مرتبہ عالیہ کی رفیقہ حیاتِ رسول ہونی چاہئے تھیں۔

غار حراء سے واپسی کے بعد!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حراء میں جب پہلی وحی نازل ہوئی اور جبریل امین کے ساتھ آپ کی پہلی ملاقات ہوئی تو آپ کے دل پر علم الٰہی کا رعب چھا گیا اور آپ ایک خاص قسم کے قلبی اضطراب کے ساتھ گھر واپس تشریف لائے اور اپنی رفیقہ حیات سے فرمایا۔

زملونی، زملونی، مجھ پر چادر ڈال دو، مجھ پر چادر ڈالدو۔

حضرت خدیجہ نے اس پریشانی کا سبب پوچھا حضورؐ نے غار حراء کا سارا واقعہ اپنی مونس و غم خوار بیوی کو سنایا، حضرت خدیجہ نے غار حراء کے حالات سنکر آپ

کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل وتقری الضیف وتکسب المعدوم وتعین علی نوائب الحق.

بخدا! اے محمد! اللہ تعالی کبھی آپ کو بے عزت نہیں کرے گا، کیونکہ آپ کی چالیس سالہ زندگی رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی کرنے، لوگوں کی پریشانیوں کا بوجھ اپنے اوپر ڈالنے اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے اور بے سر و سامان محتاجوں کو کھانے کمانے کے قابل بنانے اور ان مصائب و حوادث میں جو بے قصوروں کو پیش آتے ہیں ان کی مدد کرنے میں گذری ہے۔

آخری فقرہ میں لفظ حق لگا کر قصور واروں کی مدد کرنے کی نفی کی ہے حضرت خدیجہ نے حضور کو آپ کا اخلاقی کردار یاد دلا کر آپ کو اپنی اخلاقی عظمت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا۔

البشر! فواللہ لا یفعل اللہ بك الا خیراً فاقبل الذی جاءك من اللہ فانہ حق و البشر فانك رسول اللہ حقا

حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ موجود تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے فرمایا۔

بشارت ہو اے محمدؐ! بخدا! اللہ تعالی آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، آپ اس پیغام کو تسلیم کیجئے جو اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے۔

میں پھر آپ کو خوش خبری دیتی ہوں، آپ بے شک خدا کے رسول ہیں۔

محدثین (امام عسقلانی) شرعی اصطلاح میں فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ علی الاطلاق پہلی اور اول مسلمان ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی بشارت میں ”رسول ورسالت“ کا تصور کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ قریش عرب باوجود شرک و معصیت میں آلودہ ہونے کے ملت ابراہیمی اور ملت اسماعیلی سے وابستگی کے دعویدار تھے اور ملت ابراہیمی میں رسول ونبی کا تصور موجود تھا اور جبریل فرشتہ اور آسمانی کلام کے نازل ہونے کا تصور بھی موجود تھا، پھر حضورؐ کا خاندان توحید ورسالت کے تصورات سے خاص طور پر مانوس تھا۔

مشرک سردار حضورؐ کو پریشان کرنے کی غرض سے طرح طرح کے احمقانہ اعتراضات کرتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت خدیجہ کے خاندان میں ان کے چچا ورقہ ابن نوفل موجود تھے جو توراۃ وانجیل کے بڑے عالم تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ نے پہلے خود ورقہ کے پاس جا کر محمدؐ علیہ السلام کے یہ حالات سنائے، ورقہ نے حالات سنکر کہا۔

لئن کنتِ صدقتنی انه لیاتیه ناموس عیسیٰؑ

خدیجہ! اگر تم سچ کہتی ہو تو بات یہ ہے کہ ان کے پاس وہی فرشتہ آیا جو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔

حضرت خدیجہ اپنا اطمینان کر کے پھر حضور علیہ السلام کو ورقہ کے پاس لے گئیں اور خود حضورؐ کی زبان مبارک سے غار حراء کے حالات ورقہ کو سنوائے

فلما سمع کلامه ایقن بالحق و اعترف به.

ورقہ نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں تو ورقہ کو یقین ہو گیا کہ غار حراء میں جو واقعہ پیش آیا وہ حق ہے اور انہوں نے اس کے حق ہونے کا اعتراف کر لیا۔

پھر ورقہ نے پیشن گوئی کرتے ہوئے کہا۔

یالیتنی فیھا جذعا، یا لیتی اکون حیا اذ یخرجك قومك

اے محمدؐ! کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو گھر سے نکالے گی۔

حضور علیہ السلام نے تعجب سے کہا۔

کیا میری قوم مجھے بے گھر کرے گی؟ ورقہ بولے، نعم، لم یات رجل قط بمثل ماجئت بہ الا عودی وان یدرکنی یومك انصرك نصراً موزرا ثم لَمْ ینشب ورقہ ان توفی.

ہاں؛ اے محمدؐ! تم کو تمہاری قوم گھر سے نکالے گی کیونکہ تم سے پہلے جو بھی پیغام حق لے کر آیا اسے اس کی قوم نے بے وطن کیا، اے کاش! میں اگر وہ وقت پاتا تو تمہاری بڑی مدد کرتا۔ لیکن ورقہ جلدی وفات پا گئے۔

حضرت خدیجہ کبریٰ اپنی قلبی بصیرت سے ورقہ ابن نوفل سے پہلے ہی آپ کی رسالت کا اقرار کر چکی تھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے نبی ہونے کا وجدانی طور پر یقین موجود تھا، یہ وجدانی اور فطری یقین مختلف بشارتوں، شق صدر کے واقعہ اور وحی الٰہی کی آمد کے قریب ذاتِ حق سے ہم کلامی کے شوق واشتیاق میں غار حراء کی گوشہ نشینی، کے اثرات سے برابر بڑھتا جارہا تھا۔

اس شوق وطلب کے عالم میں مطلوب ومقصود کا ظہور ہوا، قاصد آسمانی نے نبوت کی بشارت دی اور اقرا باسم ربک الذی خلق کا کلام ربانی سنایا اور طالب ومطلوب کو ایک دوسرے سے واصل کر دیا۔

حدیث کے مذکورہ الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ورقہ کی تصدیق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہو گیا جیسا کہ بعض لوگوں

نے لکھا ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر آپ کے قریبی دوست حضرت ابو بکر آپ کے خادم خاص (ہم آغوشی بیٹے) حضرت زید ابن حارثہ اور آپ کی زیر تربیت و کفالت چچیرے بھائی علی ابن ابی طالب ایمان لے آئے۔

علماء تاریخ نے اولیت میں یہ ترتیب قائم کی ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ کبریٰ، بزرگوں میں حضرت ابو بکر صدیق، جوانوں میں حضرت علی اور غلاموں میں حضرت زید ابن حارثہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضور علیہ السلام کے ساتھ عقد!

ایک دانش مند خاتون جس کی نظر میں محمد ابن عبداللہ کی یہ تمام بڑائیاں ہوں وہ حضور کی ازدواجی زندگی میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرنے کی آرزومند کیسے نہ ہوسکتی تھی؟

چنانچہ حضرت خدیجہ نے اپنی سہیلی نفیسہ بنت منبہ کو پیغام نکاح دے کر حضور علیہ السلام کے پاس بھیجا، نفیسہ بنت منبہ نے حضور سے کہا۔

اے محمدؐ! تم اپنی شادی کیوں نہیں کرتے اپنا گھر آباد کرو، شادی کی عمر (۲۵) سال ہو چکی ہے، آپ نے جواب دیا۔

میرے پاس رکھا ہی کیا ہے جو میں شادی کروں؟

نفیسہ نے جواب دیا۔

آپ کو اگر مال کی طرف سے بے فکر کر دیا جائے اور مال و جمال اور حسب ونسب کی تینوں خوبیوں کی دعوت دی جائے تو آپ اسے قبول کر لیں گے؟ آپ نے فرمایا وہ کون ہے؟ نفیسہ نے کہا، وہ خدیجہ کبریٰ ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ولی اور سرپرست جناب ابوطالب سے اس پیغام کا تذکرہ کیا، ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو اجازت دیدی اور اسی کے ساتھ منبہ (کنیز) کو مزید اطمینان کے لئے خدیجہ کبری کے پاس بھیجا اور منبہ نے حضرت خدیجہ کی خواہش معلوم کر کے جناب ابوطالب کو اطلاع دیدی اور اس کے بعد حضورؐ نے حضرت خدیجہ کو اپنی منظوری بھیج دی۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کی روداد!

رسول پاکؐ اور حضرت خدیجہ کا یہ نکاح حضورؐ کا پہلا نکاح تھا اور اسی نکاح کی روداد تاریخ میں محفوظ ہے

خانوادہ ہاشمی کے بزرگوں اور حضرت خدیجہ کے چچا عمرو ابن اسد کے باہمی مشورہ کے بعد نکاح کی تاریخ طے کی گئی باہمی بات چیت میں بیس اونٹ کا مہر مقرر ہوا جن کی قیمت بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی کے برابر ہوتی تھی۔

تاریخ مقررہ پر رسول پاکؐ کے اعزہ واقارب بارات لیکر حضرت خدیجہ کے دولت خانہ پر پہنچے۔

قریش کے رواج کے مطابق دولہا کے سرپرست ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

خداتعالی کی حمد وثنا کے بعد کہا۔ امابعد! ان ابن اخی محمدابن عبدالله ممن لایوازن به فتی من قریش الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا وان کان فی المال قل فانه ظل زائل وعارية مترجعة وهو والله بعد هذاله نبأ عظیم وخطر جلیل وله فی خدیجه بنت خویلد رغبة ولها فیه مثل ذالك

یہ میرا بھتیجا محمد ابن عبداللہ ہے اس کی عظمت کا کوئی جواب نہیں، قریش کے جس جوان سے اس کا موازنہ کیا جائے گا تو محمد ہی کو اولیت و فضیلت حاصل ہو گی۔

شرافت نسبی میں، اخلاقی عظمت میں، عقل مندی اور دانش مندی میں، اگرچہ وہ مال و دولت میں کمزور ہے لیکن یہ مال تو ایک سایہ ہے ڈھلنے والا اور ایک ایسی عارضی چیز ہے جو واپس جانے والی ہے، محمدؐ خدیجہ کے ساتھ رشتہ قائم کرنے کے لئے راضی ہے اور خدیجہ محمدؐ کے ساتھ عقد کرنے کے لئے راضی ہے خدا کی قسم اس نوجوان کا مستقبل بہت عظیم ہے اور اس کا معاملہ بڑا اہم ہے۔

ابو طالب کے خطبہ کے بعد حضرت خدیجہ کے چچا ورقہ ابن نوفل نے مختصر الفاظ میں ہونے والی عروسہ (دلہن) کی خاندانی عظمت کا تعارف کرایا۔

انعقاد نکاح کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائیں ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا، اس عقد میں حضور علیہ السلام کی طرف سے ولیمہ کی دعوت ثابت نہیں نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر (۴۵) سال تھی اور حضور علیہ السلام کی عمر شریف (۲۵) سال تھی۔ مشہور قول یہی ہے۔

وفاداری و محبت کا جذبہ اور خدا کا سلام!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامیاب تاجر اور جوان العمر شوہر ہونے کے ساتھ ایک مقدس رسول و نبی بلکہ آخری اور کامل رسول کے منصب جلیل پر فائز ہونے والے تھے اس لیے ضرورت تھی کہ آپ کی رفاقت و خدمت کے لئے ایک ایسی خاتون ہوں جو اپنے دل میں حضورؐ کے لئے وفاداری اور محبت کا بے پناہ جذبہ رکھتی ہوں۔

وہ رفیقہ حیات بھی اچھی ہے جو زوجیت کے قانونی فرائض پورا کرے لیکن

رفیقہ حیات بہت اچھی اور بے حد قابل قدر ہے جو قانونی فرائض جذبہ محبت و وفا کے ساتھ انجام دے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیت تھیں، ایک شوہر ہونے کی اور دوسری حیثیت رسول خدا ہونے کی جو شادی کے پندرہ سال کے بعد شروع ہونے والی تھی، رسول خدا ہونے کی حیثیت سے ایک صاحب ایمان شخص کا مذہبی فرض ہے کہ وہ آپ سے محبت کرے۔

ان دونوں ذمہ داریوں کو جس خاتون میں پورا کرنے کی صلاحیت تھی وہ خدیجہ کبریٰ تھیں اور وہ صلاحیت خدا کی طرف سے عطاء خاص تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اچھی رفیقہ حیات کی صفات بیان کرتے ہوئے اس کی تین خوبیاں بیان فرمائیں ارشاد فرمایا۔

افضل النساء یا رسول اللہ؟ قال اذا امر ھا اطاعته و اذا غاب عنها حفظته و اذا نظر الیها سرته

آپ سے پوچھا گیا، حضورؐ بہترین عورت کونسی ہے، آپ نے فرمایا بہترین عورت وہ ہے جس میں تین خوبیاں ہوں۔

(۱) ایک یہ کہ شوہر اسے جو حکم دے اسکی تعمیل کرے (۲) دوسری یہ کہ اس کا شوہر جب گھر سے جائے تو اس کے مال واسباب اور اسکی عزت و حرمت کی حفاظت کرے۔ (۳) تیسری یہ کہ اس کا شوہر جب اس پر نظر ڈالے تو وہ اسے خوش کردے۔

پہلی دو خوبیاں قانونی فرائض سے تعلق رکھتی ہیں اور تیسری خوبی کا تعلق بیوی کے جذبہ وفاداری و محبت سے ہے۔

شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر میں داخل ہوتا ہے، بیوی دن بھر گھر میں رہتی ہے، بال بچوں کے ساتھ ساس نندوں کے ساتھ۔

ان رشتوں میں دکھ تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے اور سکھ و آرام بھی پہنچ سکتا ہے لیکن جب شوہر گھر میں داخل ہو کر اپنی رفیقہ حیات پر نظر ڈالتا ہے تو وہ اس کی جیون ساتھی اسے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہے اور دن بھر کا تھکا ہارا اپنی بیوی کی ایک مسکراہٹ سے مسرور و شادماں ہو جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ کبریٰ نے اپنے محبوب و مقدس شوہر کے ساتھ ازدواجی فرائض کے علاوہ خلوص و وفاء کے کامل جذبہ کا مظاہرہ کیا اس سلسلہ میں ایک بڑا اہم واقعہ ہے۔ حضور علیہ السلام نبوت کے بعد بھی کبھی کبھی غار حراء میں یکسوء ہو کر عبادت الٰہی کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز حضورؐ غار حراء میں عبادت گذاری کر رہے تھے کہ حضرت خدیجہ کبریٰ آپ کے لئے گھر سے کھانا لے کر چلیں اس وقت حضرت جبریل آپ کی خدمت میں تشریف لے آئے، ابوہریرہ کی روایت ہے جو انہوں نے خود حضور اکرم سے سنی۔

اتی جبریل النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله هذه[1] خدیجه قداتت منها اناء ة فیه ادام او طعام او شراب فاذا هی انك فاقرء علیها السلام من ربها ومنی وبشرها ببیت فی الجنة من قصب لاخصب فیه ولانصب (بخاری)

فقالت هو السلام ومنه السلام وعلی جبریل السلام وعلیك یا رسول الله السلام ورحمة الله وبرکاته

وعلی من سمع السلام الاالشیطان (ابن سنی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری (باب تزویج النبی خدیجہ

---

(۱) ہذہ کا اشارہ دراصل خدیجہ کی طرف نہیں بلکہ اس شوق اور انتظار کی طرف ہے جس نے ان کو بے چین کر رکھا تھا گویا ان کا شوق اور اضطراب ایک محسوس شئی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

وفضلہا) میں اس روایت کے تمام اجزاء جمع کر دیئے ہیں، روایت کا مطلب یہ ہے کہ خدیجہ کبری گھر سے کھانا لیکر اپنے محبوب اور عبادت گذار شوہر کے لئے کچھ اس جذبۂ محبت اور جوش اخلاص کے ساتھ چلیں کہ خداوند قدوس کو بھی اپنی وفاشعار بندی پر پیار آگیااور جبریل امین خدا تعالی کا سلام لیکر حاضر خدمت ہو گئے اور حضور علیہ السلام سے کہایارسول اللہ! وہ خدیجہ آپ کیلئے کھانا لیکر آرہی ہیں، وہ جب آجائیں تو آپ انہیں ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچادیں اور انہیں جنت میں موتی کے ایک ایسے گھر کی خوش خبری دیدیں جس میں نہ کسی قسم کی تکلیف ہو گی اور نہ اس میں شور وغل ہو گا۔

حضرت خدیجہ نے جواب میں کہا۔

حضورؐ! جہاں تک اللہ تعالی کے سلام کا تعلق ہے تو اس کا جواب نہیں دے سکتی کیونکہ اللہ تعالی خود سلام ہے اور سلامتی اسی کی طرف سے ہے۔اور جبریل امین اور آپ کے سلام کا جواب یہ ہے کہ جبریل پر بھی سلام اور حضور! آپ پر بھی سلام اور خدا کی رحمت وبرکت، اور ہر اس شخص پر سلام جس نے میرا سلام سنا، سوائے شیطان کے۔

حضرت خدیجہ کے اس جواب میں خدا تعالی کی صفات وشان کا کتنا شعور اور کتنا ادب پوشیدہ ہے؟اس پر غور کرو۔

حضرت خدیجہ خدا تعالی کے سلام کا جواب اس طرح نہیں دیتیں کہ خدا پر سلام ہو، کیونکہ سلام دعا، سلامتی ہے اور خدا تعالی کی ذات کے لئے سلامتی کی دعا، کا کوئی مطلب نہیں خدا تعالی کی ذات تو خود سلامتی عطاء کرنے والی ہے اور مخلوق اس کی طرف سے سلامتی کی محتاج ہے۔

اس وقت اس جگہ جبریل موجود تھے، جیسا کہ عبارت کے انداز سے معلوم

ہوتا ہے، مگر حضرت خدیجہ نے جبریل کو مخاطب نہیں کیا بلکہ حضورؐ کو مخاطب کر کے انہیں سلام پہنچایا۔

اس انداز کلام میں حضورؐ کی شان عظمت کا لحاظ نظر آتا ہے پھر آخری فقروں میں عموم کے ساتھ ہر سننے والے کو سلام پہنچایا سوائے شیطان کے کیونکہ وہ دعاء وسلامتی کا مستحق نہیں۔

حضرت خدیجہؓ اور صفات الٰہی کا فہم و شعور!

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت خدیجہ کبری کی دینی سمجھ کے بارے میں یہ دلیل نقل کی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے التحیات میں یہ پڑھا السلام علی اللہ۔ اللہ تعالی پر سلام، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام (السلام علیک ایہا النبی) کے ساتھ خدا تعالی پر سلام بھیجا۔

حضور علیہ السلام نے انہیں منع فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالی کی ذات تو خود سلام ہے، اس پر سلام بھیجنے کا کیا مطلب؟ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ نماز کی تکمیل (معراج) کے بعد پیش آیا۔ حضرت خدیجہ نے اس سے پہلے ہی صفات الٰہی کے بارے میں اپنے صحیح فہم کا اظہار کیا اور السلام علی اللہ کہنا درست نہیں سمجھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے موازنہ!

حافظ ابن حجر نے اس موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی۔

یاعائش! ھذا جبریل یقرء ك السلام قالت وعلیه السلام ورحمة الله قالت وھو یری مالا اری.

اے عائشہ! یہ جبریل تم کو سلام کہتے ہیں، حضرت عائشہ نے جواب دیا ان پر

بھی سلام اور خدا کی رحمت، عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں، حضور علیہ السلام جو کچھ دیکھ رہے تھے۔ میں اسے نہیں دیکھتی تھی۔

یہ حدیث نقل کر کے ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت خدیجہ کی حضرت عائشہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ حضرت خدیجہ پر جبریل نے خدا کا سلام اور اپنا سلام یعنی دونوں کی طرف سے سلام پہنچایا اور حضرت عائشہ پر صرف اپنا سلام پہنچایا۔

عورت میں جذبۂ غیرت حضرت خدیجہ کی یاد!

عربی میں رشک و حسد کے لئے تین لفظ ہیں۔

حسد، غیرت اور غبطہ - حسد یہ ہے کہ دوسرے کے اندر کسی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے زوال کی آرزو کرنا، یہ بدترین جذبہ ہے۔

غیرت اور غبطہ میں صرف رشک ہوتا ہے اور کسی کے اندر نعمت کو دیکھ کر اپنے لئے اس کی خواہش ہوتی ہے۔

فارسی والے صرف ایک لفظ رشک استعمال کرتے ہیں۔

عربی میں غیرت کے لفظ میں بڑی جامعیت ہے، یہ لفظ نخوت و غرور، رشک اور جوش کے مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس مفہوم میں غیرت کا صلہ (علی) آتا ہے اور یہ لفظ باب فتح سے آتا ہے باء (ب) کے صلہ کے ساتھ (باب ضرب سے) اس کا مفہوم عطاء و بخشش آتا ہے یہ لفظ جب خدا تعالی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غیرت الٰہی جوش میں آگئی تو اس وقت اس کے معنی عظمت و جلالت کے ہوتے ہیں۔

اردو والے غیرت کے لفظ کو اکثر شرم و حیاء کے مفہوم میں استعمال کرتے

ہیں نخوت اور غرور کے احساس ہی سے دوسرے انسان کے ساتھ رشک کیا جاتا ہے اس لئے اہل عرب اس لفظ کو رشک کے معنی میں بولتے ہیں۔ البتہ رشک کے مقابلہ میں غیرت کے اندر نخوت اور جوش کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے نخوت سے جو غیرت وحمیت پیدا ہوتی ہے وہ انسان کے اندر ایک حد تک فطری ضرورت ہے، کیونکہ اسی جذبہ سے انسان ترقی کی دوڑ جاری رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دولت میں، اقتدار میں، حسن وجمال میں اور عشق ومحبت میں صرف میں ہی میں ہوں، میرا کوئی شریک نہ ہو۔

یہ جذبہ ایک حد تک ضرورت ہے اور حد سے باہر ہلاکت ہے قدرت نے عورت کے اندر جو نسوانی اور روحانی اوصاف پیدا کئے ہیں ان اوصاف کی حفاظت کیلئے اس کے اندر جذبہ غیرت پیدا کیا ہے غیرت کا یہ ایک پہلو ہے۔

غیرت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک بیوی اسے برداشت نہیں کرتی کہ اس کا شوہر میرے ہوتے ہوئے جبکہ میں اس کی ضرورت کے لئے کافی ہوں۔ کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے اور شوہر اپنی ازدواجی زندگی کو پر سکون رکھنے کے لئے اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

قرآن کریم نے اسی معنی کے لحاظ سے نکاح کو حصان (قلعہ بندی) سے تعبیر کیا ہے۔

شاعروں کے ہاں غیرت عشق!

شاعر غیرت کے جذبہ کو غیرت عشق کے عنوان سے اس طرح پیش کرتا ہے، غالب کہتا ہے۔

غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری　　　شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

میر صاحب کہتے ہیں۔

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف   اے کشتہ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

قرآن کریم نے نکاح کے رشتہ کو، رشتہ محبت (مودۃ ورحمۃ) قرار دیا ہے، اس لحاظ سے عورت کی غیرت دراصل غیرت عشق ہی ہے، البتہ بیوی کا عشق اہل ہوس کی ہوسناکی سے مختلف ہے۔

غالب نے شکایت کی ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی   اب آبروئے شیوہ اہل نظر گیا

شوہر کا جذبہ غیرت!

مرد کے اندر بھی قدرت نے جذبہ غیرت رکھا ہے اور بیوی کی طرح شوہر بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی اجنبیوں کی نظروں کا نشانہ بنے۔

شوہر کے اس فطری جذبہ کا احترام کرتے ہوئے شریعت نے عورت کے لئے پردہ اور حجاب کے احکام مقرر کئے ہیں۔

عورت کے لئے پردہ خود عورت کے اوصاف کی قدروقیمت بھی بڑھاتا ہے اور اس پہلو سے پردہ عورت کی اپنی ضرورت بھی ہے۔

غیرت کی بحث میں ایک نہایت نازک پہلو یہ نکلتا ہے کہ شریعت نے مرد کے قوام (منتظم خانہ) ہونے کی بڑائی کے تعلق سے اس کے جذبہ غیرت کو تفوق کے درجہ میں رکھا ہے اور اس سبب سے کسی عورت کو قانونی طور پر ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرے شوہر کی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ فعل مرد کی سرداری میں شرکت ہے لیکن شوہر کو ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری بیوی رکھنے کی اجازت دیدی گئی البتہ یہ اجازت نفس کے عیش کے

لئے نہیں، بلکہ چند ضرورتوں سے مشروط ہے ایسی مجبوری میں شریعت عورت کو صبر و تحمل کا سبق دیتی ہے اور اسے اس صبر پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیتی ہے۔

مرحوم سوکن پر غیرت!

زندہ سوکن پر غیرت ایک فطری احساس ہے لیکن مرحوم سوکن پر غیرت سمجھ میں نہیں آتی البتہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب شوہر اپنی مرحوم بیوی کو موجودہ بیوی کے سامنے بار بار یاد کرے اور اسکی خوبیوں کو یاد کرے تو موجودہ بیوی کے اندر رشک کا جذبہ ابھر جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے واقعہ میں رشک کی جگہ غیرت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وفات کے بعد حضرت خدیجہ کبریٰ کی یاد!

حضرت خدیجہ کبری جیسی وفاشعار اور صاحب علم و فہم رفیقہ حیات کی جدائی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے قدردان اور احسان شناس شوہر انہیں یاد نہ کرتے ہوں؟ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

دین حق کی جدوجہد اور اولاد کی تربیت میں اور اپنی ذاتی خدمت میں جس بیوی کا کردار ناقابل فراموش تھا وہ رسول پاک علیہ السلام کو ہر ہر قدم پر یاد آتی تھیں۔

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔

ماغرت علی احد من نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماغرت علی خدیجہ رضی الہ عنہا لما کنت اسمعہ یذکرھا وامرہ اللہ تعالی

یبشرها بیت من قصب و کان لیذبح شاۃ فیھدی فی صدائقھا منھا ما یسعھن.

مجھے کبھی حضورؐ کی بیویوں کے مقابلہ میں غیرت نہیں آئی جتنی غیرت کا جذبہ میرے اندر حضرت خدیجہ کی طرف سے پیدا ہوا کیونکہ میں حضورؐ کی زبان سے اکثر حضرت خدیجہ کا ذکر سنتی تھی کہ اللہ تعالی کی طرف سے انہیں جنت میں موتی کے محل کی بشارت دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کر کے اس کا گوشت خدیجہ کبری کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے، جتنی بھی گنجائش ہوتی۔

حضرت عائشہ نے ایک دوسری روایت میں فرمایا۔

ایک روز حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ (حضورؐ کی سالی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں۔

دستور کے مطابق ہالہ بنت خویلد نے اجازت طلب کی، ہالہ کی آواز ان کی بہن کی آواز سے ملتی جلتی تھی. رسول پاکؐ ہالہ کی آواز سنکر چونک پڑے اور آپ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا (فارتاح) اور فرمایا۔

اللھم ھالہ! الٰہی' یہ ہالہ ہوں (اللھم اجعلھا ھالہ)

ایک راوی نے فارتاح (یعنی آپ خوش ہو گئے) نقل کیا ہے حضرت عائشہ نے تو ان میں سے ایک ہی لفظ بولا ہو گا لیکن بعد والے راویوں میں سے کسی راوی کو بھول ہو گئی۔

حضرت عائشہ کے دل میں اپنی سوکن کی بہن کے آنے پر حضورؐ کی یہ کیفیت دیکھ کر رشک پیدا ہو گیا، حضرت عائشہ نے خود ہی اپنی نسوانی فطرت کی اس کمزوری کا اظہار کیا اور فرمایا، اس موقعہ پر میرے منہ سے نکلا، حضورؐ! آپ ایک عمر رسیدہ عورت کو اب تک یاد کرتے ہیں، حالانکہ وہ خدا کو پیاری ہو چکیں

اور خدا تعالی نے ان کی جگہ آپ کو ان سے بہتر بیویاں عطاء کر دیں، آپ نے فرمایا انہا کانت و کانت و کان لی منہا ولد (مشکوۃ ۵۷۳ بحوالہ متفق علیہ) اے عائشہ! خدیجہ ایسی تھی ایسی تھی اور اس کے بطن سے میری اولاد ہے۔

کانت و کانت یعنی صوامة وقوامة ومحسنته ومشفقة الی غیر ذالك (مرقاۃ)

حضرت عائشہ کے اس کہنے میں رشک بھی تھا اور اسی کے ساتھ اپنے محبوب شوہر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی تھا، ہمارے مصنفین نے اسے صرف سوکناپے کا رشک قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب ایک شوہر اپنی مرحوم بیوی کی خوبیان یاد کرتا ہے تو اس سے اس کا درد و غم ٹپکتا ہے۔

حضرت عائشہ بڑی بلیغ عربی داں تھیں، اپنی گفتگو میں حضرت خدیجہ کو حمراء الشد قین" کہا یہ عربی کا محاورہ ہے سرخ جابڑے والی عورت اس محاورہ سے وہ عورت مراد ہوتی ہے جس کے منہ میں دانت نہ ہوں اور اس کا منہ اندر سے سرخ نظر آئے مسوڑے سرخ ہوتے ہیں اندر سے منہ سرخ ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ بڑی صاحب تقوی خاتوں تھیں، مگر آپ بتانا چاہتی ہیں کہ فطرت انسانی کی کمزوری کبھی نہ کبھی اپنا رنگ دکھاتی ہے اور ایک عورت کے لئے سوکن کے تصور سے زیادہ کوئی تصور تکلیف دہ نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً حضرت عائشہ کو تنبیہ کی ہوگی، جس کا حضرت عائشہ نے ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باریمیں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی زبان سے کچھ نامناسب الفاظ (یہودیہ اور پستہ قد) نکل گئے تھے تو اس

بات پر حضور علیہ السلام نے دونوں کو سخت تنبیہ فرمائی تھی (۱) البتہ حضورؐ جانتے تھے کہ میری ازواج کے دل بغض و کینہ سے پاک ہیں اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ دلی ہمدردی اور سچی محبت رکھتی ہیں قرآن کریم کی گواہی ہے "رحماء بینھم" یہ صحابہ اور صحابیات آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں پھر صحابیات میں ازواج مطہرات کا درجہ سب سے بلند ہے۔

آخری ایام میں غربت!

رسول اکرم ﷺ کو نبوت کے فرائض انجام دیتے ہوئے دس سال ہو گئے تھے اور اس وقت غربت اور مسکنت نے آپ کو بری طرح گھیر رکھا تھا۔

شعب ابی طالب (مکہ کی ایک گھاٹی) میں تین سال انتہائی کس مپرسی کے ساتھ نظر بندی اور سماجی بائیکاٹ کا زمانہ اسی دور میں پیش آیا۔ اسی سماجی بائیکاٹ کے دور میں جناب ابو طالب کو جو پریشانیاں اور جسمانی تکلیفیں لاحق ہوئیں ان سے آپ نجات نہ پاسکے اور بالآخر وفات پا گئے اسی دور میں حضرت خدیجہ کے وصال کا حادثہ پیش آیا۔

حضرت خدیجہ کبریٰ کا آخری وقت نبی علیہ السلام کے دار الغربت میں اس طرح گذرا کہ آپ پھٹے پرانے بوریئے پر آخری سانس لے رہی تھیں۔ عجم کے قالینوں پر آرام کرنے والی جس کے آگے پیچھے نوکر چاکر پھرتے ہوں اس کی یہ حالت جب قریش کے مخالف سرداروں کے علم میں آئی تو انہوں نے خدیجہ کبریٰ کے ایمان کی آزمائش کرنی چاہی اور قریش کی چند عورتوں کو آپ کے پاس بھیجا ان عورتوں نے حضرت خدیجہ کبری کو ان مشرک سرداروں کا یہ پیغام پہنچایا

---

(۱) سیرت عائشہ ص ۷۹ مشکوۃ ص ۵۷۴ بحوالہ ترمذی و نسائی، حضرت انس راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا اتق اللہ یا حفصہ اے حفصہ! خدا تعالیٰ سے ڈرو۔

کہ خدیجہ! محمدؐ کا ساتھ دے کر تم نے اپنا یہ حال کر لیا، تم اگر اب بھی محمدؐ سے الگ ہو کر ہمارے ساتھ ہو جاؤ تو ہم تمہیں پھر مال و دولت سے سرفراز کر دیں؟

حضرت خدیجہ نے منحوس پیغام سنا اور بڑی استقامت کے ساتھ اس کا یہ جواب دیا کہ ان سرداروں سے جا کر کہہ دو!

میرے پاس اگر اس سے دس گنا زیادہ دولت ہو تو میں اسے بھی محمد رسول اللہ پر قربان کر دوں۔

دم آخر زباں پر ایسے افسانے بھی آئیں گے جنہیں سننے ہمارے اور بے گانے بھی آئیں گے

یہ عام الحزن تھا!

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے ان دونوں ہمدردی کی جدائی اسقدر المناک تھی کہ آپ نے دعوت حق کے لئے طائف کی بستی کی طرف رخ کیا اور مکہ سے طائف تشریف لے گئے یہ سال مسلمانوں میں عام الحزن (رنج و غم کا سال) مشہور ہو گیا۔

آخری آرام گاہ میں اپنی اولاد کے لئے کشش!

حضرت خدیجہ کبری مکہ معظمہ کے تاریخی قبرستان جنت المعلےٰ میں آرام فرما ہیں اور آپ کی اس آخری آرام گاہ میں ان کی اولاد (امت توحید) کے لئے ویسی ہی کشش محسوس کی جاتی ہے جیسی ایک ماں کے سینے میں مامتا کی کشش ہوتی ہے۔

اس ناچیز کو جنت المعلی میں ام المومنین حضرت خدیجہ کبری کے مرقد انور میں ایسی ہی کشش محسوس ہوئی۔

زیارت کے وقت بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، ادب شریعت روک رہا تھا

ورنہ مرقد انور سے لپٹ کر رونے کے لئے دل بے قرار تھا۔

بہت دشوار ہے شائستہ راہ طلب ہونا
نظر کو حد میں رکھنا شوق دل کا باادب ہونا

جنت المعلےٰ میں حضورؐ کے دوسرے اجداد کرام بھی آرام فرماہیں اس لئے ایک سعودی سپاہی قبرستان کے دوسرے کنارہ پر کھڑا پکارتا رہتا ہے مشرک، مشرک، یعنی آگے نہ آؤ۔ یہ مشرکین کے مزارات ہیں۔

یہ آواز کانوں کو بڑی ناگوار معلوم ہوئی، کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت کے اجداد کرام ملت ابراہیمی پر قائم تھے، جسمیں توحید و آخرت کے تصورات زندہ تھے، بت پرستی جو عوام میں پھیلی ہوئی تھی، حضور علیہ السلام کے آباء واجداد اور امہات وبنات اس سے محفوظ تھیں۔

اس مسئلہ میں علامہ محمد ادریس کاندھلوی جیسے پختہ فکر محدث ومفسر نے سیرۃ المصطفیٰ کی پہلی جلد میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضورؐ کی پریشانیاں

سیرت نگاروں نے حضرت خدیجہ کے بعد حضرت سوداء کے ساتھ دوسری شادی کے مسئلہ کو اتنی سادگی سے بیان کیا ہے کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کے لئے بے قرار تھے اور آپ کچھ دن بھی بیوی کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتے تھے لیکن آپ کا دوسری شادی کرنا پہلی بیوی کی وفات کے بعد ہی نفسانی خواہش وضرورت کے تقاضے سے نہیں تھا بلکہ حالات کی شدید مجبوریوں نے آپ کو اس پر آمادہ کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ کبریٰ کی وفات کے بعد گھرداری کے معاملہ میں سخت مشکلات محسوس کیں اور پریشان رہنے لگے۔

ایک پریشانی خود آپ کی ذاتی کہ ایک بے حد محبت کرنے والی رفیقہ حیات کی رفاقت سے محروم ہوگئے دوسری پریشانی جوان لڑکیوں کی طرف سے کہ وہ اپنی مشفق ماں کے سایہ سے محروم ہوگئیں اور پریشان رہنے لگیں۔

دعوت حق کے مقابلہ میں مشرکین مکہ کا ظلم وستم عروج پر پہنچا ہوا تھا، حضورؐ مکہ کی گھاٹی (شعیب ابی طالب) میں تین سال کی جاں گسل نظر بندی سے نجات پانے کے بعد اپنے دونوں ہمدردوں (ابو طالب اور خدیجہ کبریٰ) کی جدائی کے صدمہ سے دوچار تھے یہ دونوں محسن آگے پیچھے چند مہینوں کے اندر جدا ہوگئے، پہلے ابو طالب کی وفات ہوئی اور چار ماہ کے بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا، حضور ﷺ کا اپنے دونوں ہمدردوں کی ظاہری سرپرستی سے محرومی کے سبب مکہ سے دل اچاٹ ہوگیا تھا اور دعوت حق کے لئے طائف جانے کا ارادہ فرمارہے تھے اور مشیت الٰہی کا اشارہ بھی یہی تھا کہ اب قریش مکہ کے مقابلہ کے دوسرے قبیلہ (ثقیف) کو حق کی دعوت دی جائے۔

ان حالات نے بچوں کی طرف سے پریشانیوں میں شدت پیدا کردی تھی آپ کے رفقاء صحابہ کرام بھی حالات کی اس شدت سے گذر رہے تھے مگر انہیں حضور علیہ السلام کی دوطرفہ پریشانیوں کا سخت احساس تھا البتہ اس بات کی جرأت کسی میں نہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام سے دوسری شادی کی بات کرے۔

حضرات صحابہ نے مشورہ کیا کہ حضور ﷺ سے دوسری شادی کے بارے میں بات کرنے کی جرأت کون کرسکتا ہے؟

پھر یہ طے ہوا کہ اس مسئلہ پر حضورؐ سے حضرت خولہؓ بات کرسکتی ہیں، کیونکہ یہی خولہ ہیں جو حضورؐ سے یہ شکایت کرچکی تھیں کہ ان کے شوہر عثمان ابن مظعون نے ان سے ترک تعلق کرر کھا ہے اور وہ تارک الدنیا ہوگئے ہیں اور

بیوی بچوں کے حق سے غافل ہو گئے ہیں۔

ان کی شکایت پر حضورؐ نے حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر انہیں تنبیہ کی تھی کہ وہ گوشہ نشینی کو ترک کریں اور خدا کی عبادت کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کا بھی حق ادا کریں۔

حضور علیہ السلام کی دوسری شادی کا مسئلہ بھی یہی تھا کہ حضور علیہ السلام اپنے نفس کا حق اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال کا حق ادا کریں اور اس پر توجہ دیں چنانچہ حضورؐ نے اس پر توجہ فرمائی۔

خولہ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے آپ کی پریشانیوں کا ذکر کیا اور پھر دوسری شادی کی درخواست کی۔

حضورؐ نے فرمایا میں خود بھی سوچ رہا ہوں لیکن تم کہاں رشتہ ڈالو گی؟ خولہ بنت حکیم نے دو جگہ کا نام لیا اور کہا۔

ایک سوداء ہیں جو سکران کی وفات کے سبب بیوہ ہو گئی ہیں اور دوسری عائشہ ہیں جو باکرہ ہیں اور آپ کے دوست ابو بکر کی لڑکی ہیں۔

آپ نے دونوں رشتوں کی اجازت دیدی۔ اور دونوں جگہ آپ کا پیغام قبول کر لیا گیا، مگر آپ نے ایک غریب بیوہ حضرت سوداء کو نکاح اور رخصتی کے بعد گھر پر لانا مناسب سمجھا۔

حالانکہ حضرت عائشہ حضرت سوداء کے مقابلہ میں مالدار گھر کی کنواری خاتون تھیں اور تحقیقی قول کے مطابق حضرت عائشہ کی عمر (۱۶) سال تھی۔

ایک داعی حق جو اپنے تمام رفقاء کے ساتھ دشمنوں کے بہیمانہ تشدد کا اس درجہ نشانہ بنا ہوا ہو اس کے دل میں نفسانی عیش کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا آپ کو صرف ایک تجربہ کار گھر والی کی ضرورت تھی جو جوان لڑکیوں کی دیکھ

بھال کرے اور اس مقصد کے تحت ایک باکرہ کے مقابلہ میں آپ نے ایک عمر رسیدہ بیوہ کو گھر پر لانا ضروری سمجھا۔

البتہ یہ آپ کی انتہائی دور اندیشی تھی کہ آپ نے اپنے دوست اور مخلص ابو بکر صدیق کی صاجبزادی کے ساتھ بھی ازدواجی رشتہ قائم کر لیا۔

اس رشتہ کے قیام کی دینی مصلحت پر حضرت عائشہ صدیقہ کے بیان میں روشنی ڈالی جائے گی۔

حضرت سوداء بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا!

حضرت سوداء قریش کی باعزت شاخ سے تعلق رکھتی تھیں، ان کا خاندان صاحب شوریٰ مشہور تھا قصی ابن کلاب نے قریش کی مختلف شاخوں کو جمہوری انداز میں منظم کر کے زمعہ ابن قیس کے اجداد کو صاحب مشورہ کا منصب تفویض کیا تھا۔

قریش مکہ اہم معاملات میں دار الندوہ میں جمع ہو کر اس قبیلہ کے سرداروں سے مشورہ کرتے تھے۔

حضرت سوداء کے بڑے بھائی یزید عہد اسلام تک اس منصب پر فائز تھے دوسرے بھائی مالک ابن زمعہ تھے ان دونوں بھائیوں اور ان کی بہن سوداء اور ان کے شوہر سکران نے شروع ہی میں اسلام قبول کیا۔

یزید نے حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور طائف کے معرکہ میں جام شہادت نوش کیا۔

مالک ابن زمعہ حبشہ کی ہجرت میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی، یہ دونوں بھائی لاولد تھے۔

حضرت سوداء اور ان کے شوہر سکران ہجرت حبشہ میں شریک تھے ہجرت ختم

ہونے کے بعد سکران واپسی میں راستہ کے اندر ہی شدید بیمار پڑے اور وفات پاگئے۔
حضرت سوداء کے باپ زمعہ ابن قیس اور ایک بھائی عبد اللہ حضور ﷺ اور حضرت سوداء کے رشتہ نکاح کے وقت مشرک تھے۔
عبد اللہ نے اس رشتہ کے بعد کسی وقت اسلام قبول کیا مگر زمعہ اپنے آبائی دین پر رہے ظاہر ہے کہ حضرت سوداء اپنے ایک بھائی اور شوہر کی جدائی سے غمگین رہتی ہوں گی اور مشرک باپ اور مشرک بھائی (عبد اللہ) کی ہمدردی بھی ان کے ساتھ نہ ہوگی۔
حضرت سوداء کا ایک بچہ (عبد الرحمان) تھا جو ان کے پاس تھا۔ رسول اکرم ﷺ اپنے رفقاء میں سے ہر ایک کے حالات سے باخبر رہتے تھے اسی لئے حضورؐ نے خولہ کی تجویز کو قبول کر کے ان کے پاس اپنے نکاح کا پیغام بھیج دیا تاکہ اس رشتہ رفاقت (نکاح) سے حضور ﷺ اور سوداء دونوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔
حضرت خولہ نے جب سوداء کو پیام پہنچایا تو انہوں نے قریش کے دستور کے مطابق خولہ کو اپنے باپ سے اجازت حاصل کرنے بھیجا اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ میرے باپ کو جاہلیت کے طریقہ پر سلام کرنا، اسلام کے طریقہ پر سلام سن کر کہیں وہ بھڑک نہ جائیں؟
چنانچہ خولہ نے جاہلیت کے طریقہ پر انعم صباحا کہا، یعنی صبح بخیر، زمعہ نے مرحبا کہا اور پوچھا، کیسے آنا ہوا؟ خولہ نے کہا میں آپ کی بیٹی سوداء کے ساتھ محمد ابن عبد اللہ (رسول اللہ نہیں کہا) کا پیغام لیکر آئی ہوں آپ کو منظور ہے، زمعہ نے حضورؐ کی خاندانی عظمت کا حوالہ دے کر کہا۔
محمد ابن عبد الہ ہمارے بہترین کفو ہیں، سوداء اگر منظور کرے تو مجھے کوئی

اعتراض نہیں۔

خولہ نے کہا سوداء بھی اس رشتہ کے لئے تیار ہیں، وہ بولے، پھر کیا رکاوٹ ہے؟ بوڑھے باپ کو اپنی بیٹی کی پریشانی کا احساس تھا۔ اس لئے انہوں نے اسلام سے اختلاف رکھنے کے باوجود بیٹی کی پریشانی اور ہونے والے داماد کی خاندانی عظمت کو دیکھ کر اپنی رضامندی دیدی۔

چنانچہ چار سو درہم مہر پر ملت ابراہیمی کے مطابق یہ مبارک رشتہ قائم ہو گیا۔

حضرت سوداء کے بھائی عبداللہ کو جب اس رشتہ کا علم ہوا تو انہوں نے افسوس کیا اور شرم و ندامت کی وجہ سے اپنے سر پر... خاک ڈال لی۔

عبداللہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور ہمیشہ اپنے اس مذموم فعل پر افسوس کرتے رہے کہ میں کس قدر نادان تھا کہ جب حضورؐ نے میری بہن کو اپنے حرم میں داخل ہونے کا شرف عطاء کیا تو میں نے اپنے سر پر خاک ڈالی۔

حضرت سوداء کے لڑکے عبدالرحمٰن حضورؐ کی سرپرستی میں رہے اور آپ کی محبت سے فیض یاب ہوئے اور اسلام کی محبت میں جنگ جلولا (فارس) میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت سوداء کے ساتھ پانچ سال تک کسی دوسری رفیقہ حیات کی رفاقت کے بغیر نہایت خوش گواری کے ساتھ زندگی گذاری۔

حضور ﷺ نے ہجرت کے موقعہ پر مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد حضرت زید ابن حارثہ اور ابورافع (غلام) کے ذریعہ اپنے جس خاندان کو مکہ سے مدینہ بلایا اس کے تین افراد تھے۔

رفیقہ حیات حضرت سوداء، بیٹیاں ام کلثوم اور فاطمہؓ جنہیں حضورؐ نے نئے تیار شدہ گھر میں ٹھہرایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ کے واسطہ سے دو جگہ پیام بھیجا اور دونوں رشتوں کے بارے میں آپ کو اطمینان تھا کہ وہ دونوں رشتہ منظور ہوں گے۔

حضرت سوداء کے ساتھ رشتہ نکاح کے بعد آپ انکو رخصت کرا کر اپنے گھر لانے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر حضرت عائشہ کے ساتھ آپ صرف عقد نکاح کو کافی سمجھتے تھے۔

حضرت عائشہ کی عمر نکاح کے وقت تحقیقی قول کے مطابق سولہ (۱۶) برس کی تھی چھ برس کا قول مشہور ضرور ہے مگر اہل تحقیق کا قول راجح ہے۔

حضور ﷺ اس وقت حضرت عائشہ کو رخصت کرا کر گھر لا سکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

تو پھر حضرت عائشہ کے ساتھ صرف نکاح کے رشتہ کا قیام آپ نے کیوں ضروری سمجھا؟

اس کا جواب حضور ﷺ کے اس وقت کے حالات پر غور کرنے سے مل سکتا ہے اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا یہ فعل عیش نفس کے تقاضے سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ اس میں ایک اہم دینی مصلحت پوشیدہ تھی۔

خدا تعالی کی طرف سے دعوت حق کی راہ میں ہر قسم کی امداد و توفیق کا وعدہ قرآن کریم میں بار بار کیا جا چکا تھا مگر اسی کے ساتھ آپ کو یہ بھی ہدایت تھی کہ اگر آپ دعوت حق کی کامیابی کے لئے اسباب ظاہری کو کام میں لانے کی بھی کوشش کرتے رہیں۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ جب دعوت و تبلیغ کے لئے مختلف عرب قبیلوں

کے پاس جاتے تو آپ ان سے کیا فرماتے؟ غور کیجئے۔

قبیلہ بنی عامر سے مل کر آپ نے فرمایا۔

کیف المنعة فیکم؟ قالوا لا یرام وماقبلنا ولا یصطلی بنارنا.

اے قبیلہ والو! تم میں میری حفاظت کی کتنی قوت ہے؟

انہوں نے کہا،

ہم جس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں وہ نامراد نہیں رہتا اور اسے ہماری دشمنی کی آگ پریشان نہیں کرتی۔

فقال انی رسول الله، فان اتیتکم یمنعونی حتی ابلغ رسالة ربی ولم اکره احداً منکم شیئا

آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، کیا تم میری حفاظت کروگے تاکہ میں خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچادوں اور میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کروں گا۔

انہوں نے جواب دیا،

لکنا لا نطردك ولا نومن بك. اے محمد! ہم لوگ نہ تو آپ کو اپنے سے دور کریں گے اور نہ ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

(حیات صحابہ باب تبلیغ والدعوت عربی)

خاندان صدیق رسول پاک ﷺ کا ذاتی معاملات میں بھی اور دعوت دین کے کاموں میں بھی سب سے بڑا معاون ومددگار خاندان تھا اور حضور کے سامنے دعوت حق کا ایک بڑا معاملہ ہجرت کرنے کا تھا۔

اسی بے وطنی کی طرف ورقہ ابن نوفل اشارہ کرچکے تھے اور مکہ میں اہل ستم کے مظالم کا بڑھتا ہوا طوفان بھی اس کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

چنانچہ جب ہجرت کا مسئلہ آیا تو حضور کی اجازت سے صحابہ کرام نے ہجرت شروع کردی، صرف صدیق اکبر کا خاندان اور حضرت علی مکہ میں رہ گئے یا کچھ

ضعیف مسلمان مکہ میں پڑے رہے۔

مشیت الٰہی کا اشارہ یہی تھا۔ چنانچہ جب جبریل امین نے حضورؐ کو خدا کا حکم پہنچایا کہ اب آپ بھی مکہ چھوڑ دیجئے تو حضور کے سوال کرنے پر جبریل نے کہا آپ ابو بکر صدیق کو ساتھ لیجئے۔ خدا کا حکم یہی ہے۔

پھر ہجرت کے ہر مرحلہ پر اسی خاندان نے وفاداری کا حق ادا کیا ابو بکر ساتھ رہے، صدیق اکبر کی بڑی بیٹی اسماء، بڑے بیٹے عبداللہ ابن ابو بکر، ابو بکر کے غلام عامر ابن فہیرہ نے بڑی ہوشیاری سے اپنا اپنا حق ادا کیا اس نازک وقت کے لئے حضور علیہ السلام نے ظاہری تدبیر کے طور پر اس وفادار خاندان کے ساتھ دامادی کا مزید رشتہ قائم کیا جو معاشرتی رشتوں میں بڑی غیرت و حمیت کا رشتہ ہے۔

اس مصلحت کے علاوہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت عائشہ کو جبیر ابن مطعم کے مشرک خاندان سے یکسو کیا جائے حضرت عائشہ اور جبیر ابن مطعم کے لڑکے کا رشتہ نکاح طے پاچکا تھا اور دونوں کی منگنی ہو چکی تھی۔ چنانچہ جب حضور کا رشتہ حضرت عائشہ کے ساتھ پہنچا تو ابو بکر نے کہا، عائشہ کا رشتہ جبیر کے لڑکے سے طے ہو چکا ہے اور میں اپنے قول و قرار سے پھر نہیں سکتا۔

واللہ ما اخلف ابوبکر وعدا قط

خدا کی قسم! ابو بکر اپنے قول سے نہیں پھر سکتا۔

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا رشتہ بھی ایسا نہ تھا کہ ابو بکر اسے نظر انداز کر دیتے چنانچہ ابو بکر جبیر کے پاس گئے اور اس سے کہا، جبیر! تمہارا اپنے لڑکے اور عائشہ کے درمیان طے شدہ رشتہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جبیر کی بیوی موجود تھی وہ بولی، مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے گھر میں میرے لڑکے کے رشتہ سے اس کا دین خراب ہو جائے گا۔ ابو بکر نے جبیر کو مخاطب کر کے ان سے پھر پوچھا وہ بولا، جو رائے میری بیوی کی ہے بس وہی میری بھی ہے۔

یہ انکار سنکر ابو بکر مطمئن ہو گئے اور واپس آگئے اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک مشرکین اور اہل ایمان کے درمیان رشتہ نکاح قائم کرنے کی اجازت تھی، اگر اجازت نہ ہوتی تو ابو بکر ان سے پوچھنے کی اجازت نہ سمجھتے بلکہ خود ہی اس رشتہ کو ختم کرنے کا اعلان کر دیتے۔

ابو بکر نے جبیر ابن مطعم کے انکار پر خولہ کو آکر جواب دیا کہ مجھے حضورؐ کا رشتہ منظور ہے۔

چنانچہ چار سو درہم مہر پر حضورؐ کا حضرت عائشہ سے نکاح ہو گیا۔

یہ رشتہ کب قائم ہوا؟

حضور ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ رشتہ نکاح کس سن میں قائم ہوا؟ اس بارے میں حضرت عائشہ کا اپنا قول جو امام بخاری نے (باب فضل خدیجہ) میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ میرا نکاح حضرت خدیجہ کبری کی وفات کے تین سال بعد قائم ہوا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس سال (نبوت کے دسویں سال) حضرت خدیمہ کا انتقال ہوا اس سے حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک ماہ بعد میرا نکاح ہوا۔

یہ روایت بھی امام بخاری نے (باب ترویج عائشہ میں) نقل کی ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے دوسری روایت کی تاویل کر کے اسے مرجوح قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس روایت کے کسی راوی کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ رخصتی کو انعقاد نکاح سمجھا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح کسی راوی کو یہ غلط فہمی ہوئی اسی طرح کسی راوی کو یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت عائشہ کے قول (نکاح کی عمر) میں ۱۶ سال کو چھ سال سمجھا یا روایت کی کتابت میں (ستہ عشر) کی جگہ صرف ستۃ (۶) رہ گیا، کیونکہ دوسرے تمام قرائن (۱۶) کی تائید کر رہے ہیں آخر چھ سال کی عمر کے قول کو وحی الٰہی کیوں سمجھا جائے۔؟

اہل تحقیق علماء نے کم سنی کی شادی پر مخالفین اسلام (مستشرقین اور آریہ سماج) کی طرف سے ذات اقدس پر اعتراضات کی بھرمار دیکھ کر سیدۃ عائشہ کی عمر کے بارے میں تمام ذخیرہ احادیث و تاریخ کی ورق گردانی کی اور مختلف تاریخی تصریحات کی روشنی میں حضرت عائشہ کی عمر کا فیصلہ کیا۔

علماء مصر و ہندوستان کی یہ تاریخی چھان بین قابل قدر ہے۔

مدینہ طیبہ میں رخصتی!

مہاجرین مکہ کے لئے مدینہ طیبہ کی آب وہوا نہایت ناموافق ثابت ہوئی اور مہاجرین بیمار پڑ گئے، حضرت ابو بکر صدیق کا خاندان بھی بیمار پڑ گیا، حضرت عائشہ اتنی سخت بیمار پڑیں کہ آپ کے سر کے بال بھی جھڑ گئے۔

حالات کچھ ٹھیک ہوئے تو ابو بکر صدیق نے حضور علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اپنی اہلیہ کو اپنے دولت خانہ پر بلا لیجئے۔

آپ نے اسے منظور کر لیا اور انصار کی چند عورتوں کو حضرت عائشہ کو لانے کے لئے بھیج دیا۔ ان خواتین نے دلہن کو ٹھیک ٹھاک کیا، سنوارا تھوڑی دیر کے بعد حضور بھی صدیق اکبر کے دولت خانہ پر پہنچ گئے دودھ سے حاضرین مجلس کی تواضع کی گئی اور حضورؐ حضرت عائشہ کو ساتھ لے کر اپنے گھر تشریف لے آئے۔

رخصتی کا واقعہ ہجرت کے پہلے سال ماہ شوال کا ہے اور اس وقت حضرت

عائشہ کی عمر تحقیقی قول کے مطابق انیس (۱۹) سال تھی۔

حضرت عائشہ کا علم و فضل!

حضرت عائشہ صدیقہ ازواج مطہرات میں بڑی صاحب علم وفضل خاتون تھیں، حضرت عائشہ نے عربی تاریخ وادب کا علم اپنے والد صدیق اکبر سے حاصل کیا، صدیقہ نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے گھر میں اسلام اور قرآن کریم کی روشنی پورے آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھی حضرت صدیقہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فطری طور پر ذہانت وذکاوت اور قوت حافظہ کا بھرپور خزانہ عطاء ہوا تھا۔

حضرت صدیقہ نے آٹھ نو سال رسول پاک ﷺ کی قریبی رفاقت میں رہ کر قرآن وحدیث کا مکمل علم حاصل کیا۔ جس میں آپ کو بڑے بڑے اکابر صحابہ پر برتری حاصل تھی، رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وارشاد کی مجلسیں مسجد نبوی میں قائم ہوتی تھیں اور حضرت عائشہ کا مکان مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا۔

صدیقہ کو ذاتی طور پر قرآن وحدیث کے علوم سے اس قدر دلچسپی تھی کہ مسجد نبوی سے تقریر کا کوئی فقرہ آپ کی سمجھ میں نہ آتا تو آپ حضورؐ سے گھر کے اندر آنے کے بعد پوچھ لیا کرتی تھیں۔

صرف نو (۹) سال کی قلیل مدت میں حضرت عائشہ نے قرآن کریم، تفسیر، حدیث وفقہ کے جو نہایت گہرے معارف ومسائل حضورؐ سے حاصل کئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رات دن ان علوم کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں صرف کرتی تھیں اور قدرت نے انہیں علوم دین حاصل کرنے اور حضور کے بعد ان کی اشاعت کرنے کی غرض ہی سے رسول پاک کے دامن مبارک سے وابستہ کیا اور اسی مصلحت کے تحت قدرت نے انہیں اولاد کی پرورش وتربیت کے نہایت مشغول کام سے فارغ رکھا۔

حضرت عائشہ کا حجرہ!

حضرت عائشہ کا حجرہ مسجد نبوی کی مشرقی جانب واقع تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغربی رخ پر اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی ہے۔ اس حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں اور چھت کھجور کی لکڑیوں سے پٹی ہوئی تھی۔ جس کے اوپر بارش سے بچاؤ کے لئے کمبل ڈالدیا گیا تھا، حجرہ کی بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا دروازہ پر ہندوستان کی خاص لکڑی ساگوان کا کواڑ لگا ہوا تھا جو ایک پٹ کا تھا۔

حجرہ مبارکہ کے قریب ایک بالاخانہ تھا۔ جو مشربہ کہلاتا تھا۔ ایلاء کے زمانہ میں حضور علیہ السلام نے اسی بالاخانہ میں قیام کیا تھا۔

حضورؐ کے گھر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ، جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، غلہ اور کھجوریں رکھنے کیلئے دو مٹکے، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کا ایک پیالہ تھا اور گھر میں چراغ بتی کا انتظام بھی نہیں تھا۔

حضرت صدیقہ خود فرماتی ہیں کہ کبھی کبھی چالیس چالیس دن گذر جاتے تھے اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

اس حجرہ مباکہ کے مکین رسول پاکؐ اور حضرت صدیقہ تھیں اور پھر کچھ دنوں کے بعد ایک باندی حضرت بریرہ کا اضافہ ہو گیا تھا گھر کے کام کاج کے لئے حضرت بلال حبشی مقرر تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ مالدار باپ کی بیٹی تھیں مگر حضورؐ کے ساتھ آپ نے نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذار دی اور کبھی اس تنگدستی سے اپنی طبیعت پر میل نہیں آنے دیا اور نو سال کی ازدواجی رفاقت خوش دلی اور محبت کا بہترین

نمونہ بنی رہی۔

نو سال کی ازدواجی رفاقت کی مدت میں سے آدھی مدت یعنی فتح خیبر (۷ھ) سے پہلے جس تنگدستی میں گذرے اسے صدیقہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔

ماشبع آل محمد من خبز الشعیر یومین تتابعین حتی قبض رسول الله ﷺ محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو دو روز مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ بھرنا نصیب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ خدا کو پیارے ہوگئے۔

حضرت انس فرماتے ہیں۔

انه مشی الی النبیؐ بخبز الشعیر واهالة سخنة ولقدرهن النبی علیه السلام درعا بالمدینة عند یهودی واخذ معه شعیرا لاهله ولقد سمعته یقول ما امسی عند آل محمد صاع بر ولا صاع حب وعنده تسع نسوة (مشکوۃ ۴۴۷)

انس فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ آپ کے سامنے جو کی روٹی اور ایسی باسی چربی جس میں سے بساند آرہی تھی رکھی ہوئی تھی اور مدینہ کے ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھ کر آپ نے اس سے اپنے گھر والوں کے لئے جو کا آٹا خریدا تھا۔

میں نے حضورؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ آل محمدؐ کے پاس نہ گیہوں کے آٹے کے ایک صاع نے شام گذاری اور نہ دوسرے غلہ کے ایک صاع نے اور اس وقت حضورؐ کے گھر میں نو بیویاں تھیں۔

حضورؐ کے گھر والوں پر ہجرت کے ابتدائی ۵۔۶ برس اس طرح گذرے البتہ جب بنی نظیر اور بنی قریظہ (۵ھ) اور غزوہ خیبر (۷ ہجری) میں سیاسی فتحیابی کا دور شروع ہوا تو مسلمانوں اور اہل بیت رسول ازواج مطہرات اور آل نبی کی تنگ

دستی میں کچھ کمی آئی۔

ایلا اور تخییر کا واقعہ!

رسول اکرم ﷺ فتوحات سے حاصل ہونے والی فراخی اور کشادگی کے بعد ازواج مطہرات کے ہاں سال بھر کی ضروریات (غلہ، کھجوریں) بھجوادیا کرتے تھے مگر سیاسی فتوحات کی وجہ سے رسول پاک ﷺ کا کاشانہ نبوت سلطان مدینہ کا دربار بن گیا تھا، باہر سے مہمانوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی تھی، مسلمان ضرورت مند بھی رسول پاکؐ اور آپ کی ازواج مطہرات کی فیاضی اور سخاوت سے فیض یاب ہونے حاضر ہوتے تھے، ازواج مطہرات خود بھی بڑے بڑے گھر کی خواتین تھیں جن کے حوصلے بلند تھے۔

ان حالات میں ازواج مطرات نے حضور ﷺ سے ضروریات زندگی میں اضافہ کی خواہش کی۔

اس واقعہ کی تفصیل صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (مشکوۃ ۲۸۱)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ اپنے بالا خانہ (مشربہ، توشہ خانہ) پر رونق افروز تھے اور صحابہ کرام آپ کے دروازہ پر جمع تھے۔

حضرت عائشہ کے بیان کے مطابق آپ کا یہ قیام ازواج مطہرات کے مطالبہ (نان نفقہ) سے ناراضگی کی وجہ سے تھا، حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کی اس گوشہ نشینی کو ایلاء (قسم کھانے) سے تعبیر کیا ہے، یہی روایت حضرت انس سے مروی ہے۔

صحابہ کرام آپ کی اس خانہ نشینی سے پریشان ہوکر حالات کی خبر لینے کی غرض سے جمع ہوگئے۔

حضور علیہ السّلام نے ان صحابہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی اس سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے اور آپ نے ان دونوں کو اندر بالاخانہ میں آنے کی اجازت دیدی

ان حضرات نے یہ دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ کے ارد گرد ازواج مطہرات بیٹھی ہیں اور حضورؑ نہایت پریشان اور خاموش تشریف فرما ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی پریشانی دور کرنے کے لئے آپ کو ہنسانے کی غرض سے ایک مزاحیہ بات کہی اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ ! لو رأیت بنت خارجہ سالتنی النفقہ فقمت الیھا فوجعت عنقھا فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

اے میرے آقا! اگر میں یہ دیکھوں کہ خارجہ کی بیٹی (نام نہیں لیا) مجھ سے گذارہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو میں کھڑے ہو کر اس کی گردن مڑوڑ دوں۔ سرور کون ومکان ﷺ عمر فاروق کی اس بات پر ہنس پڑے اور فرمایا ھن حولی کما تری یسئلنی النفقہ عمر! یہ دیکھو! میرے گرد یہ ازواج جمع ہیں اور مجھ سے گذارہ میں اضافہ کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

یہ سنکر یہ دونوں وفادار خسر اپنی اپنی بیٹیوں (عائشہؓ اور حفصہؓ) پر چڑھ دوڑے اور ان کی گردنیں مروڑ دیں۔ (یجاء عنقھا) اور بولے۔

تسئلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالیس عندہ؟

تم رسول پاکؐ سے وہ چیز مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے؟ اس کے جواب میں ازواج مطہرات نے معذرت کی اور کہا۔

لانسئل رسول اللہ ؐ شیئا ابداً ہم آئندہ حضورؐ سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے، حضور علیہ السلام نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک مہینہ تک

ازواج مطہرات سے الگ رہنے کی قسم کھائی تھی، اس لئے جب وہ مدت پوری ہوگئی تو آپ بالاخانہ سے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے آئے۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ گذارہ میں اضافہ کے زمانہ میں رسول اکرم ﷺ کے پیر میں چوٹ لگی ہوئی تھی اور آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے الگ ہوگئی تھی، یعنی آپ کے پیر میں موچ آگئی تھی اور یہ چوٹ آپ کے گھوڑی سے گرنے کی وجہ سے لگی تھی۔ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ۲۸۱)

روایت کے الفاظ "انفکت رجلہ" ہیں اس سے مراد ٹخنے میں چوٹ لگنا ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپکی پسلیوں میں بھی ضرب آئی تھی۔

ایک مہینہ بالاخانہ میں گوشہ نشینی کی ایک مصلحت یہ بھی سامنے آئی کہ حضورؐ نے اس چوٹ کا علاج بھی کرایا اور خدا تعالی کی طرف سے آپ کو آرام کرنے کا موقعہ بھی دیا گیا اور ایک مہینہ (۲۹ دن) پورا ہونے کے بعد آپ پر سورہ احزاب کی آیت قل لازواج (۲۸-۳۰) نازل ہوگئی اور اس آیت میں حضورؐ کو ہدایت کی گئی کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرمادیں کہ اگر تمہیں دنیا کا عیش آرام درکار ہے تو آؤ! میں تمہیں عزت کے ساتھ رخصت کردوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی درکار ہے تو تمہارے لئے اجر عظیم کی خوش خبری ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے بات کی اور انہیں خدا کا یہ حکم سنایا اور حضرت عائشہ صدیقہ سے کہا۔

لاتعجلی فیہ حتی تستشیری ابویک اے عائشہ! تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کرکے کوئی رائے قائم کرنا، حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا۔

افيك يا رسول اللہ؟ استشير ابوی بل اختار الله ورسوله والدار لآخرة .

اے میرے آقا! کیا میں آپ کے معاملہ میں اپنے ماں باپ سے رائے لوں گی بلکہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں نے اللہ، اللہ کے رسول اور آخرت کی بھلائی کو اختیار کر لیا، اس دنیوی عیش کے مقابلہ میں۔

حضرت عائشہ نے عرض کیا، اچھا حضورؐ! میرا یہ جواب کسی دوسری اہلیہ کو نہ بتائیں! آپ نے فرمایا۔

عائشہ! یہ نہیں ہو سکتا، مجھ سے میری جو اہلیہ سوال کرے گی کہ عائشہ نے کیا جواب دیا تو میں اسے بتادوں گا اور کسی کو پریشانی میں نہیں ڈالوں گا۔

ان الله لم يبعثنی معنتا ولا متعنتا ولكن بعثنی معلما وميسرا

عائشہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے دوسرے کو پریشان کرنے والا اور خود اپنی ذات کو پریشانی میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور سکھانے والا اور آسانیاں پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

سورہ احزاب آیات تخییر کے زمانہ نزول کے لحاظ سے یہ واقعہ سن (۵ھ) میں پیش آیا۔

مولانا آزاد کا تبصرہ!

"یہ ازواج مطہرات کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی، دنیا کو دکھلانا تھا کہ جن ہستیوں کو اللہ کے رسول نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے ان کے تزکیہ باطن اور خدا پرستی کا کیا حال ہے۔"

حکم اگرچہ ازواج مطہرات کے متعلق تھا مگر دراصل اس راہ کے لئے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے خدا تعالیٰ نے ظاہر کیا کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع

نہیں ہو سکتیں، جو دل خدا اور رسول کی محبت و مرضاۃ کے طالب ہوں انہیں چاہئے کہ پہلی ہی نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے دست بردار ہو جائیں۔
(الہلال ۳ رجون ۱۹۱۳ء)

کار نبوت میں رفیقہ کار!

اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین میں حضرت خدیجہ کبریٰ کی حضور علیہ السلام کے ساتھ ازدواجی رفاقت کو خدائی منصوبہ قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ ازدواجی رفاقت کو بھی خدائی فیصلہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

البتہ اس فیصلہ کے اظہار کے لئے وحی جلی (قرآن) کی جگہ وحی خفی (منامی بشارت خواب) کو ذریعہ بنایا گیا۔

چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ کے ساتھ عقد سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے (خواب میں) عائشہ کی شبیہ دکھائی۔

یہ بشارت خواب خدائی فیصلہ کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو قرآن کریم نے ازدواجی معاون اور ایمانی معاون کے طور پر پیش کیا ہے اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی عملی زندگی یہ بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو حضور ﷺ کے مشن (علوم الٰہی کی اشاعت) کے لئے اور کار نبوت میں تعاون دینے کے لئے حضورؐ کی زوجیت میں دیا۔

جہاں تک گھر داری اور خانہ داری کا تعلق ہے وہ ضرورت حضورؐ کی حضرت خدیجہ سے پوری ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہ کے بعد حضرت سودہ نے آپ کا گھر سنبھال لیا تھا۔

اب ضرورت تھی کہ دین کی اشاعت کے لئے ایک خانہ نشین رفیقہ حیات ہو، باہر کے لئے سینکڑوں رفقاء کار (صحابہ کرام) موجود تھے جو دن رات دین سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے میں مشغول رہتے تھے لیکن خانہ نشین طبقہ (عورتوں) کے لئے کوئی مستقل معلم اور داعی موجود نہ تھا جو اس طبقہ کا ہم جنس ہو اور ان کی نسوانی ضروریات کو سمجھے اور ان کے مخصوص مسائل میں انہیں مطمئن کر سکے۔

یہ بات شروع میں بیان کر دی گئی ہے کہ ازواج مطہرات اور بنات طیبات کی زندگی نسوانی زندگی کے لئے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ وہ اسوہ حسنہ ہے جو امت کی عورتوں کے لئے واجب العمل ہے۔ خداتعالیٰ نے حضرت عائشہ سے کار نبوت کی اس ضرورت کو پورا کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ کی اولاد میں حضرت عائشہؓ سب سے چھوٹی تھیں، حضرت اسماء ان سے دس سال بڑی تھیں، عبداللہ ابن ابو بکر بھی ان سے بڑے تھے۔ لیکن چھوٹی بیٹی نے اپنے باپ سے عرب کے قومی علوم (علم الانساب اور علم ادب) اور اسلام کے آنے کے بعد ۱۵ سال تک قرآنی علوم حاصل کر کے جو قابلیت اپنے اندر پیدا کی وہ دونوں بڑے بھائی بہن پیدا نہ کر سکے۔

یہ خداداد صلاحیت کی بات تھی اور اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ خداوند عالم اس لڑکی سے بہت بڑا علمی کام لینے والا ہے اور دین حق کی تعلیم کے منصب پر اسے بٹھانے والا ہے۔

حضرت عائشہ چھ سات سال کی تھیں جب نبوت کا آفتاب طلوع ہوا، تحقیقی بات یہی ہے۔

ابو بکر صدیق نے دعوت دین شروع ہوتے ہی اسے قبول کر لیا تھا اور اب

گھر کے بزرگوار کے قبول اسلام نے تمام گھر والوں کو قرآن کریم کی روشنی سے منور کر دیا تھا صرف ابو بکر کے ضدی باپ ابو قحافہ اپنے دوستوں (ابو جہل اور ولید) کے اثر میں رہے اور فتح مکہ تک اپنی ضد پر قائم رہے۔

ابو بکر صدیق کو قرآن کریم کی تلاوت سے بڑا شغف تھا، رات کو تلاوت قرآن کرتے تھے اور اس عبادت کے لئے گھر سے باہر ایک چبوترہ بنوالیا تھا تاکہ دوسرے لوگ بھی قرآن کریم کی تاثیر کا اثر قبول کریں۔

حضور علیہ السلام کا اپنے پہلے امتی اور پرانے دوست کے گھر میں آنا جانا تھا اور ظاہر ہے کہ آپ دین کی باتیں گھر والوں کو سناتے اور سمجھاتے ہوں گے کیونکہ یہی آپ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا اور اپنے فطری شوق (علمی ذوق و فہم) کے سبب حضور علیہ السلام کی باتوں سے حضرت عائشہ زیادہ فائدہ اٹھاتی تھیں۔

حضرت عائشہ جب حرم نبوی میں داخل ہوئیں تو آپ ۱۹ سال کی صاحب علم و فضل خاتون تھیں، یہ ہجرۃ کا دوسرا سال تھا۔

یہ دور حضور ﷺ کی مشغولیت وانہماک کا نہایت اہم دور تھا احکام الٰہی کا نزول ہو رہا تھا اب تک مکی زندگی میں صرف عقائد واخلاق کی ہدایات نازل ہوئی تھیں اب مدینہ طیبہ کی آزاد اور بااختیار زندگی میں اسلام اپنی تکمیل کی منزلیں طے کر رہا تھا اور احکام ومسائل نازل ہو رہے تھے دوسری طرف غزوات کی ہنگامہ آرائیاں شدت پکڑ رہی تھیں۔

یہی مناسب وقت تھا کہ حضرت صدیقہ جیسی اپنے قومی عربی اور اسلامی دینی دونوں قسم کے علوم سے آراستہ خاتون حضور علیہ السلام کے حرم پاک میں داخل ہوں اور نو سال کی رفاقت کے مختصر دور میں اسلامی علوم کی تکمیل کر کے اپنی باقی زندگی (بیوگی) کے (۳۹) سال اسلامی علوم کی اشاعت میں صرف کریں۔

نزول وحی حضرت عائشہ کی قیام گاہ میں!

احادیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام پر وحی الٰہی کا نزول اکثر حضرت عائشہ کی قیام گاہ میں تشریف آوری کے موقعہ پر ہوتا تھا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ آپ آنے والی وحی قرآنی کو سب سے پہلے اپنی صاحب فہم وصاحب صلاحیت رفیقہ حیات کو سنائیں اور سمجھائیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ نے جن آیات قرآنی کے بارے میں حضورؐ سے سوالات کیے ان کی ایک طویل فہرست ہے۔

حضرت صدیقہ کے سوالات سے آیات قرآنی کے باریک پہلو حضور کی زبان اقدس کی وضاحت کے ذریعہ امت کے سامنے آگئے۔

کھانا بے مزہ پکاتی تھیں!

مولانا سید سلیمان ندوی نے حضرت صدیقہ کی کم سنی اور نو عمری پر بلاضرورت زور دیتے ہوئے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عائشہ اپنے گھر کا کھانا بے مزہ پکاتی تھیں جبکہ دوسری عمر رسیدہ بیویاں اچھا کھانا پکاتی تھیں۔

(سیرت عائشہ ۴۱)

مولانا نے ابوداؤد کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دراصل حضرت عائشہ تمام ازواج مطہرات کے مقابلہ میں حضرت زینب کے کھانا پکانے کی تعریف کرنا چاہتی ہیں۔

قالت عائشۃؓ مارایت صانعا طعاما مثل ما صنعت زینب بنت جحش

اس روایت کا مفہوم وہ نہیں ہے جو سید صاحب نے بیان کیا ہے۔ یعنی

حضرت صدیقہ حضرت زینب کا موازنہ اپنے سے نہیں کر رہیں بلکہ تمام ازواج مطہرات سے کر رہی ہیں حضرت صدیقہ نے یہ بات کہہ کر خود فرمایا کہ ایک روز حضرت زینب نے کھانا بھیجا، حضورؐ میرے گھر پر مقیم تھے۔

وہ کھانے کا برتن میں نے خادم کے ہاتھ سے لے لیا اور چونکہ اس وقت میں رشک کی کیفیت (افکل) میں تھی اس لئے وہ برتن میرے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا حضور ناراض ہوئے، میں نے فوراً کہا، حضور! اس قصور کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اسی طرح کا نیا پیالہ بھیجو، چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔

(ابوداؤد جلد ۳ ۵۰۳)

میں یہ عرض کروں گا کہ اگر سید صاحب کا اخذ کردہ مفہوم صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب کم سنی کی ناتجربہ کاری کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ کی توجہ کھانے پکانے کی طرف کم تھی بلکہ صدیقہ اپنے علمی مشغلہ پر توجہ زیادہ دیتی تھیں اس کا مطلب یہ کیوں نہ لیا جائے۔؟

خود اعتمادی اور خاندانی احساس!

حضرت عائشہ صدیقہ کے اندر جو خود اعتمادی اور اپنی علمی عظمت کا جو احساس تھا، اس کا اظہار اس صورت میں بھی ظاہر ہوتا تھا کہ جب صدیقہ حضور علیہ السلام سے خوش ہوتی تھیں تو گفتگو کے دوران ان الفاظ میں قسم کھاتی تھیں۔ **ورب محمد**، قسم ہے محمدؐ کے رب کی۔ اور جب حضورؐ سے ناخوش ہوتی تھیں تو قسم کھاتی تھیں۔

ورب ابراھیم. قسم ابراہیم کے پروردگار کی۔

یعنی ناراضگی میں حضورؐ کے نام کی جگہ حضورؐ کے دادا کا نام لیتی تھیں، جو حضرت عائشہ کے بھی دادا تھے۔

اس انداز قسم سے وہ یہ ظاہر کرتی تھیں کہ میں بھی اسی عظیم دادا کی اولاد ہوں جس کی اولاد سے اے رسول پاک آپ ہیں۔

اس انداز سے اپنی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا تھا اور یہ بڑا خوبصورت انداز تھا پھر اس فرق کا احساس رسول اکرم ﷺ کو ہو جاتا تھا، چنانچہ آپ نے ایک دن اس کا اظہار فرمایا اور کہا۔

عائشہ! مجھے تمہاری خوشی اور ناخوشی کا اندازہ تمہاری قسم سے ہو جاتا ہے جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو "ورب محمدؐ" کہتی ہو اور جب خفا ہوتی ہو تو ورب ابراہیم" کہتی ہو، آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا کیونکہ آپ ہی نے اپنے ان فیض یافتہ خدام کو توحید کے جذبہ سے سرشار کیا تھا۔

حضرت بریرہ کی خود اعتمادی!

حضرت بریرہ مدینہ کے ایک رئیس کی مکاتب تھیں حضرت عائشہ نے انکا زر مکاتبت (فدیہ) ادا کر کے انہیں آزاد کرادیا۔

پھر بریرہ ایک خادمہ کی حیثیت سے حضرت صدیقہ کے پاس ہی رہنے لگیں غلامی کے دور میں ان کی شادی حضرت مغیث کے ساتھ ہوئی تھی، وہ بھی غلام تھے دونوں میں فرق یہ تھا کہ بریرہ خوبصورت تھیں اور مغیث بدصورت تھے۔

شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ باندی آزاد ہونے کے بعد یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ اپنی غلامی کے دور کا رشتہ نکاح چاہے تو قائم رکھے اور چاہے تو توڑ ڈالے اور طلاق حاصل کرلے۔

حضرت عائشہ نے بریرہ کو آزاد کردیا تھا آزاد ہونے کے بعد بریرہ نے مغیث کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا۔

مغیث بریرہ سے بڑی محبت کرتے تھے، ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے

مغیث نے حضور سے کہا کہ آپ بریرہ کو سمجھائیے۔ حضورؐ نے بریرہ کو سمجھایا، بریرہ نے عرض کیا حضورؐ آپ مجھے حکم دے رہے ہیں یا ذاتی مشورہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مشورہ دے رہا ہوں حکم نہیں، یعنی شریعت کی بخشی ہوئی آزادی کو میں کیسے منسوخ کر سکتا ہوں۔

بریرہ نے جواب دیا حضور! معاف فرمائیے میں آپ کا مشورہ قبول نہیں کر سکتی۔

پھر بریرہ حضرت مغیث سے علیحدہ ہو گئیں۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلام ایک قانونی مذہب ہے اور اس قانون (قرآن کریم) کی پابندی داعی قانون محمد عربی ﷺ پر بھی عائد ہوتی تھی۔

اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے بریرہ پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور کسی صحابی کو بھی یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضورؐ کا ذاتی مشورہ قبول نہ کرنے پر بریرہ کو سرزنش کرے۔

بریرہؓ میں یہ جرأت اس دینی علم اور قانون شریعت نے پیدا کیا جو علم اس نے اپنے آقاء سے حاصل کیا تھا اور اپنی مالکہ حضرت صدیقہ کی دینی اور علمی تربیت نے اس علم کو قوت پہنچائی تھی، یہ جرأت آقاء کی شان میں گستاخی نہیں تھی بلکہ رسول پاک کی دی ہوئی تعلیم کا اظہار تھا۔

رسول پاک ﷺ کو اپنی ذات سے زیادہ اپنے لائے ہوئے دین حق سے محبت تھی۔ اس لئے آپ کا دل بریرہؓ کے جواب سے خوش ہوا ہوگا کہ میری تعلیم نے غلاموں کے اندر آزادی کی جو روح پھونکی ہے وہ اپنا اثر دکھارہی ہے۔

خانوادۂ صدیق کو وفاداری کی سزا!

قریش کے بااثر اور دولت مند لوگوں میں صرف ابوبکر صدیق کا خاندان ایسا

تھا جسے حضور کی مدد کرنے کے جرم میں مشرکین کے ہاتھوں سے تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور محبت رسول کی سزاء بھگتنی پڑی ۔

دل کیا تجھے دیا کہ ملا دوجہاں کا درد
جھگڑے ہزار لگ گئے ایک زندگی کے ساتھ

صدیق اکبر زدوکوب کئے گئے، ہجرت کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے، ابن دغنہ انہیں واپس لایا۔

ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں مشرکین کی آہٹ پا کر ابو بکر پر خوف طاری ہوا اور حضور کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہنا پڑا۔

لاتحزن ان الله معنا، خوف نہ کرو اے ابو بکر! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

پھر خانوادہ صدیق کی لخت جگر حضرت عائشہ صدیقہ کی عصمت وعظمت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی اور افک (تہمت) کا واقعہ پیش آیا۔

مکہ میں مشرکین کی ستم رانیاں تھیں اور مدینہ منورہ میں منافقین کی سازشوں کا طوفان برپا ہوا۔

ابو بکر صدیق پر ظلم!

عمرو ابن زبیر نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے سوال کیا۔

اخبرنی باشد شئی صنعه المشرکون برسول الله ﷺ قال مر رسول الله ﷺ بفناء الکعبة لعقبه ابن ابی معیط وابی جهل وغیره

اے عبداللہ! یہ بتاؤ کہ حضور علیہ السلام پر مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا سنگین واقعہ کونسا ہے؟

عبداللہ نے کہا ایک روز حضور حرم شریف میں ابو جہل اور عقبہ ابن معیط کے پاس سے گذرے۔

ان سرداروں نے حضورؐ سے کہا۔

انت تنہانا ان نعبد ما یعبد آباء نا ؟ فقال علیہ وسلم انا ذاک

کیا تم ہی وہ ہو جو ہمیں ہمارے بزرگوں کے دین بت پرستی سے روکتے ہو؟

حضورؐ نے کہا۔ ہاں وہ میں ہوں۔

اذا قبل عقبه ابن معیط. فاخذ بمنکب رسول اللهؐ ولوی ثوبه فی عنقه فخنقه خنقا شدیداً

فاقبل ابوبکر فاخذ بمنکبه ودفعه وهو یصیح باعلی صوته وان عینیه لیسیلان ومحقضته من ورائه ویقول اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقدجاء کم بالبینات من ربکم؟ (ابن کثیر جلد ۴ ص ۷۷)

حضور علیہ السلام کے اس جرأت مندانہ جواب پر عقبہ نے آگے بڑھ کر حضور کے بازو پکڑ لئے اور آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اسے بل دیئے اور مروڑا اور آپ کا گلہ شدت سے گھونٹ دیا۔

ابوبکر صدیقؓ موجود تھے ان سے یہ ظلم دیکھا نہ گیا اور حضورؐ کو عقبہ سے چھڑا لیا اور بآواز بلند آنسوں سے روتے ہوئے وہ آیت پڑھی جو قرآن کریم نے فرعون کی قوم (قبط) کے ایک مومن کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

"کیا تم لوگ اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جسکا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی نشانیاں دکھا رہا ہے۔"

ابوبکر نے پیچھے سے حضور کی کولی بھر رکھی تھی۔

ایک دوسرے واقعہ میں یہ بھی ہوا کہ مشرکین حرم میں حضور علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے، صدیق اکبر نے آپ کو بچانے کی کوشش کی ان ظالموں نے

حضورؐ کو تو چھوڑ دیا مگر ابو بکرؓ پر پل پڑے اور انہیں زدو کوب کیا اس سے ابو بکرؓ بے ہوش ہو گئے، ابو بکر دبلے پتلے کمزور آدمی تھے۔

لوگ اٹھا کر انہیں گھر لے آئے، ہوش میں آئے تو پوچھا یہ بتاؤ کہ حضورؐ کیسے ہیں؟

گھر والوں نے جواب دیا، آپ خیرت سے ہیں ابو بکرؓ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

مومن آل فرعون!

قرآن کریم نے جس مومن آل فرعون کا ذکر سنایا ہے وہ (قبطی) فرعون کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر فرعون کے خوف سے اس سے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا۔

فرعون نے جب اپنی قوم سے کہاں،

ذرونی اقتل موسی ولیدع ربه (مومن ۲۶)

فرعون نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو پکارتا پھرے اور دیکھے کہ اس کا خدا اسے کس طرح بچاتا ہے۔؟

کوئی ظالم جب اپنا جھوٹا زور دکھانا چاہتا ہے تو اردو کے اندر بھی یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔

"چھوڑ دو مجھے، میں اسے سمجھ لوں گا"

گویا لوگ اسے پکڑ رہے ہیں، ورنہ وہ اپنے مخاطب کو اب تک ختم کر چکا ہوتا۔ یہ جھوٹا زور دکھانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ فرعون کے ارکان سلطنت اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ موسی حق پر ہیں نبی ہیں، کہیں ہم پر فوری طور پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔

حضرت ابو بکر اس امت کے صدیق تھے۔ انہوں نے حضرت موسی کی

امت کے صدیق کا قول دوہرا لیا۔

فرعون کی قوم (قبط) کے صرف دو افراد ایمان لائے ایک اس کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا جسے فرعون نے شہید کرا دیا تھا اور ایک مومن آل فرعون، قرآن نے کسی کا نام نہیں لیا آسیہ کو امراۃ فرعون کہا اور اس مومن کو مومن آل فرعون کہا، اس نے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہجرت کی۔

صدیقہ کی سخت آزمائش، تہمت کا واقعہ!

حضرت عائشہ صدیقہ اور آپ کے خاندان کو اسلام اور ہادی برحق ﷺ کے ساتھ غیر معمولی وفاداری کی سزاء مشرکین اور منافقین دونوں کے ہاتھوں سے ملی۔

مکہ معظمہ میں غلاموں کے ساتھ قریش کے بااثر سردار ابو بکر ابن ابی قحافہ کو بھی زدو کوب کیا گیا۔

بے وطن کئے جانے کی سزاء سے ابن دغنہ بچالائے ورنہ ابو بکر بھی مکہ سے ہجرت کر کے جا رہے تھے۔

مدینہ منورہ میں منافقین کی طرف سے خانوادہ صدیق کی چشم وچراغ عائشہ پر تہمت کا واقعہ بھی اسلام کے ساتھ وفاداری کرنے ہی کی سزا تھی، جس کا نشانہ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو بھی بننا پڑا تھا کیونکہ آپ خانوادہ صدیق کے داماد تھے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ منافقین کا مقصد میدان جنگ میں اہل کفر کی ناکامی کے بعد جو ان منافقین کی بھی ناکامی تھی، اسلامی دعوت کو اندر سے کمزور کرنے کی ناکام کوشش تھی۔

منافقین رسول اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کو ابتری میں مبتلا کرنے کی غرض

سے آپ کی ازواج کے درمیان سوکناپے کی خلش برپا کرنے کی تاک میں رہتے تھے اور اس کام کے لئے انہوں نے کچھ عورتوں کو چھوڑ رکھا تھا جو ازواج مطہرات کے پاس آتی جاتی تھیں اور ادھر کی ادھر لگاتی پھرتی تھیں۔

اسی سازش کی ایک کڑی واقعہ افک بھی تھا جو غزوہ بنی مصطلق (۵ھ) میں پیش آیا، اس غزوہ میں اتفاق سے منافق طبقہ کے افراد کثرت سے شریک تھے۔

اسی غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے گلے کا قیمتی ہار جو انہیں اپنے باپ سے جہیز میں ملا تھا وہ گم ہو گیا اور آپ قافلہ سے بچھڑ گئیں اور حضرت صفوان کے ساتھ کچھ تاخیر سے مدینہ پہنچیں۔

بس اتنی سی بات کا بتنگڑ بنادیا گیا اور منافقین نے افواہیں پھیلانی شروع کردیں یہ طوفان ایک مہینہ برپا رہا صاحب وحی پیغمبر بھی انسانی زندگی کی اس آزمائش میں ایک عام انسان کی طرح پریشان رہے، کیونکہ محبوب اور قابل بیوی اس طوفان کا نشانہ تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ صدمہ سے بیمار پڑ گئیں حضور ﷺ نے انہیں ان کے میکے بھیج دیا۔

حضرت عائشہ کا صبر جمیل!

تہمت کے اس واقعہ کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ حضرات صحابہ کرام کے تاثرات معلوم کرنے کے بعد اب براہ راست حضرت عائشہ سے گفتگو کرتے تشریف لائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ اس گفتگو کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

”میں بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ میرے والدین نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر بٹھایا، حضور ﷺ نے خدا کی حمد وثناء کرنے کے بعد فرمایا۔“

یاعائشه ان کنت قارفتِ سوءً ا وعلمتِ فتوبی الی الله فان الله یقبل التوبه عن عباده.

اے عائشہ! اگر تم سے واقعی کوئی برائی صادر ہوئی ہے تو خدا کی جناب میں توبہ کرلو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ فرماتی ہیں۔

میں نے اپنے والد سے کہا، آپ حضورؐ کو جواب دیجئے وہ بولے فماذا اقول؟ میں کیا جواب دوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا، آپ کچھ فرمائیں انہوں نے بھی جواب میں کچھ کہنے سے انکار کردیا۔

اب میں خود حضورؐ کے سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوئی جواب بتارہا ہے کہ جس شان نبوت کے ساتھ حضور علیہ السلام نے گفتگو فرمائی تھی حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی اسی طرح شان صدیقیت کا مظاہرہ کیا۔ فرماتی ہیں۔

تشهدت، فحمدت الله واثنیت علیه بما هو اهله ثم قلت

اما بعد! فوالله ان قلت لکم انی لم افعل والله عزوجل یشهد انی لصادقة ماذاك بنافعی عندکم لقد تکلمهم به واشربته قلوبکم.

وان قلت لکم انی قد فعلت والله یعلم انی لم افعل لتقولن قدباء ت به علی نفسها وانی والله ماجد لی ولکم مثلا والتمست اسم یعقوب فلم اقدر علیه الا ابا یوسف حین قال فصبر جمیل والله المستعان علی ماتصفون.

میں نے اشهد ان لااله الا الله وحده لاشریك له واحمد الله حمداً کثیراً بما هو اهله. پڑھنے کے بعد کہا۔

یارسول اللہ! اگر میں اپنی صفائی پیش کروں گی اور خدا گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ تم لوگوں میں افواہیں پھیلی ہوئی

ہیں اور اگر میں اقرار گناہ کروں گی حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو تم لوگ کہو گے کہ عائشہ نے اقرار گناہ کر لیا۔

خدا کی قسم! اس وقت میری اور تمہاری مثال حضرت یوسف کے باپ جیسی ہے جب انہوں نے اپنے بیٹوں کی زیادتی پر یہ کہا تھا۔ میں اب صبر جمیل کے سوا کیا کر سکتا ہوں؟

فرماتی ہیں اس وقت میرا ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ مجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہیں آیا، انہیں ابو یوسف کہا۔

نزول وحی اور برأت کا اعلان!

صدیقہ فرماتی ہیں۔ بس اب میری آزمائش ختم ہو چکی تھی، رحمت الٰہی کو جوش آ گیا اور جبریل امین سورہ نور کی متعلقہ آیات (۱۱ تا ۱۹) لیکر نازل ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کا نور چمکنے لگا" اور آپ نے فرمایا ابشری یا عائشه فقد انزل الله براء تك"

اے عائشہ! بشارت ہو تم کو تمہاری صفائی میں قرآن نازل ہو گیا۔ اس خوش خبری پر میرے والدین نے مجھ سے کہا۔

قومی الیه! فقلت لا اقوم له ولا احمده ولا احمد کماولکن احمد الله الذی انزل براء تی لقد سمعتموه فماانکرتموه ولا غیر تموه.

بیٹی! کھڑی ہو کر حضور ﷺ کا شکر ادا کرو، میں نے عرض کیا میں نہ حضور ﷺ کا شکریہ ادا کرونگی اور نہ آپ دونوں کا بلکہ اس خداوند عالم کا شکر ادا کروں گی جس نے میری صفائی میں اپنا کلام نازل کیا۔

تم لوگ تو وہ افواہیں سنتے رہے نہ تم لوگوں نے ان کی تردید کی اور نہ تم نے

کوئی شرم محسوس کی۔

صدیقہ نے ادب کے طور پر صرف حضور کو مخاطب نہیں کیا بلکہ جمع کے صیغے سے سب کو مخاطب کیا۔

حضرت صدیقہؓ کے اس جواب سے ابو بکر صدیق کو گرانی ہوئی اور انہوں نے اسے سوءادب سمجھا اور فرمایا۔ تقولین؟ هذا لرسول الله ﷺ فقالت نعم عائشہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ اللہ کے محترم رسول ہیں، صدیقہ نے جواب دیا۔ جی ہاں میں جانتی ہوں کہ یہ اللہ کے محترم رسول ہیں۔ (ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۷۲)

یعنی میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سمجھ بوجھ کے ساتھ کہہ رہی، مجھ پر غفلت طاری نہیں ہے رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ کی اس گفتگو پر تبسم فرما رہے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی حضرت عائشہ صدیقہ کے اس کلام کو نسوانی غرور وناز کہتے ہیں (سیرت عائشہ ۱۰۲)

اور ایک جگہ اس انداز کلام کو "ناز محبوبانہ" سے تعبیر کیا ہے، لیکن یہ تعبیر حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی اور روحانی مقام سے ترفروتر معلوم ہوتی ہے، درست ہے کہ شوہر اور بیوی کے رشتہ میں ناز و نیاز کی نزاکت ہوتی ہے اور یہ نزاکت اس رشتہ کا حسن ہے لیکن موقعہ و محل کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہ کے اس کلام کی تعبیر "جذبہ توحید" کے غلبہ سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

موقعہ و محل یہ ہے کہ محبوب شوہر باوجود کامل فہم و فراست کے (وحی الٰہی کے آنے سے پہلے) اور باوجود اپنے معتمد ساتھیوں کی شہادت کے ایک مہینہ تک منافقین کی افواہوں سے تردد و تامل میں مبتلا رہے اور ایسی صورت میں خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم کا دروازہ کھولا اور کلام حق نے نزول فرما کر اپنی

مظلوم بندی کی برأت کا اعلان کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے ایمان ویقین نے اپنے محسن حقیقی پر نظر کی اور ان کی زبان پر وہ کلام جاری ہوا جسمیں ذات حق پر اعتماد تھا، ذات حق کے سواء ہر شی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ صدیقہ کے یقین کی قوت نے محسن حقیقی کے فضل وکرم کے تصور میں صاحب یقین کو گم کر دیا۔

یقین واعتماد کی یہ قوت بھی رسول پاک ﷺ کے فیض صحبت وتربیت سے صدیقہ کو حاصل ہوئی اور یہ جذبہ توحید بھی اسی ذات کرم تھا جس ذات گرامی کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ جذبہ توحید جوش مار رہا تھا۔ یہ بھی اسی ذات گرامی کے فیض کی دین تھی انہی کی توجہ کا صدقہ تھا اس لئے اس ذات گرامی کے ناراض ہونے اور اس گستاخی نما کلام پر دل گرفتہ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

بلکہ اپنی خاص تربیت یافتہ اور محبوب بیوی کے اندر اپنی تعلیم وتربیت کا یہ اثر دیکھ کر یقیناً حضور علیہ السلام کا دل اندر سے خوش ہوا ہوگا کہ میری ذات سے محبت رکھنے کے باوجود میرے حقیقی مولا کی محبت سے میری رفیقہ حیات کا دل معمور ہے۔

یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضرت عائشہ کا یہ انداز کلام وقتی جذبہ کے تحت تھا بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ نے جو جواب دیا وہ ان کے دل کی آواز تھی اور اس پختہ جذبہ توحید کا اظہار تھا جو ان کے اندر پیوست ہو چکا تھا۔

چنانچہ اس کا ثبوت حسب ذیل واقعہ سے ملتا ہے۔

ایک روز حضرت زینب بنت جحش نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا۔

یاعائشہ ماقلتِ حین رَکبتِھا؟ قالت حسبی الله ونعم الوکیل قالت قلتِ کلمةَ المومنین.

اے عائشہ! تم نے اس وقت کیا پڑھا جب تم صفوان کے ساتھ اونٹھ پر سوار ہوئیں؟

حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا حسبی اللہ الخ، اللہ میرے لئے کافی ہے وہ

بہترین کارساز ہے یہ کلمہ پڑھا حضرت زینب نے فرمایا۔ ھذہ کلمۃ الایمان۔
اہل ایمان کا کلمہ (عقیدہ و یقین) یہی ہے۔

اسی یقین و اعتماد کا نتیجہ تھا کہ وحی جلی (قرآن) صدیقہ کی برأت میں نازل ہوا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وحی خفی (القاء، الہام، خواب) کے ذریعہ حضور علیہ السلام کو اس تہمت کے بے بنیاد ہونے کی اطلاع دیدی جاتی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس کلمہ توحید کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اس کلمہ کا ورد رکھتا ہے، اس کلمہ کے مفہوم کا شعور رکھتے ہوئے کفاۃ اللہ ماھمہ اللہ تعالی اس کا رنج و غم دور کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اسی کلمہ کی برکت تھی کہ اللہ تعالی نے کچھ آزمائش کے بعد حضرت صدیقہؓ کی برأت کا وحی الٰہی اور اپنے دائمی کلام میں اسے محفوظ کر دیا۔

حضرت عائشہؓ بے اولاد تھیں!

حضرت عائشہ صدیقہ بے اولاد ہونے کی سخت آزمائش سے بھی دوچار ہوئیں اور اس فطری احساس کو آپ نے بڑی متانت کے ساتھ ضبط کیا، البتہ ایک موقعہ پر اس احساس کے اظہار بڑے سبق آموز انداز میں ہوا۔

ایک موقعہ پر رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔

جو عورت اپنی دو بیٹیوں کو اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے پرائے گھر کا کر دیتی ہے اور وہ پرائے گھر جا کر ایک سلیقہ مند بہو بن کر رہتی ہیں تو اللہ تعالی اس ماں کو عذاب جہنم سے اس طرح محفوظ رکھتا ہے کہ اس کے اور جہنم کے درمیان یہ لڑکیاں آڑ بن جاتی ہیں۔

ایک خاتون نے کہا، حضور! اگر کسی کی ایک ہی لڑکی ہو اور اس کی ماں اس کے ساتھ ایسا ہی کرے تو کیا ہو گا، آپ نے فرمایا۔

یہ ایک لڑکی ہی اسے عذاب جہنم سے اسی طرح محفوظ کردیتی ہے حضرت صدیقہ سے اس گفتگو کے دوران خاموش نہیں رہا گیا اور بولیں۔

حضور! اگر کسی عورت کے اولاد ہی نہ ہو تو کیا ہوگا، آپ نے فرمایا۔

عائشہ! اگر وہ بے اولادی صبر و شکر کے ساتھ زندگی گذارے گی تو اس کے لئے میری شفاعت جہنم سے آڑ بن جائے گی۔

حضرت صدیقہ کی علمی اولاد

حضرت عائشہؓ کے اگر اولاد ہوتی تو وہ کتنی صاحب علم و فضل ہوتی اس کا اندازہ آپ سے استفاد کرنے والے ان مردوں اور ان عورتوں کے علم و فضل سے لگایا جاسکتا ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کی درس گاہ (حجرہ مبارکہ) اور آپ کی آغوش تربیت میں علم حاصل کیا اور علم حدیث اور علم فقہ اور دوسرے علوم میں اپنے دور کے بلند پایہ محدث فقیہ اور مفسر قرآن ثابت ہوئے۔

بڑے بڑے اصحاب قلم محدثین نے حضرت عائشہ کے شاگردوں، مردوں اور عورتوں کی تاریخ پر مفصل کتابیں تالیف کی ہیں۔

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں آپ سے علمی فیض حاصل کرنے والے رشتہ داروں، غلاموں، صحابیوں اور تابعین، رجال و نساء کی الگ الگ فہرستیں دی ہیں۔

امہات المؤمنین میں حضرت ام حبیبہؓ اموی کا مقام رفیع

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے دشمن اسلام ماں باپ اور بھائیوں کی ناک نیچی کرکے رسول اکرم ﷺ کی عزت و عظمت کو عرب میں جس جرأت و شرافت کے ساتھ سربلند کیا اس فضیلت میں حضرت ام حبیبہ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کو اپنے ماں باپ اور خاندان کی عزت کا خیال زیادہ ہوتا ہے لڑکی کی ذات میں اپنے خاندان والوں کے لئے بڑی حمیت اور

غیرت ہوتی ہے، وہ اپنے شوہر سے بگاڑ لیتی ہے اگر شوہر کے منہ سے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی برائی سنتی ہے۔

سماجی زندگی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ لڑکا بیوی کی محبت میں اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیتا ہے لیکن لڑکی شوہر کی محبت میں اپنے ماں باپ سے ترک تعلق نہیں کرتی۔

یہ تجربہ ایک شریف معاشرہ کا ہے۔ آج کے آوارہ معاشرہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ خارج از بحث ہے۔

ام حبیبہؓ کا معاملہ ایک خوددار اور غیور معاشرہ کا واقعہ ہے۔ قریش میں بہت سے اخلاقی عیوب پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن وہ بہو بیٹیوں کے ناموس کے معاملہ میں بڑے خوددار واقع ہوئے تھے۔ ناممکن ہے کہ ابوسفیان نے بیٹی کے اسلام اور پھر عقد نکاح کی زبردست مخالفت نہ کی ہو، ابوسفیان قریش مکہ میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے ہوں گے لیکن اس باعظمت بیٹی نے اسلام اور ہادی اسلام ﷺ پر قربان ہو کر اسلامی تاریخ میں اپنا بے مثال مقام پیدا کر لیا۔

کیوں نہ ہوتا آخر ان خاتونانِ قریش کی رگوں میں مائی ہاجرہ کا خون رواں دواں تھا، مصر کی وہ شاہزادی جس نے خلیل اللہ کی غلامی پر شاہی عزت و راحت کو قربان کر دیا۔ اسی وفاشعار ماں کی یہ بیٹیاں تھیں۔

حضرت اسماعیل و ہاجرہ کی ان بیٹیوں میں کثرت ان بہادر خواتین کی تھی جنھوں نے اپنے جد اعلیٰ ابراہیم و اسمٰعیل کے لخت جگر محمد ابن عبداللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے دادا کے پیغام توحید کو سن کر لبیک وسعدیک کہا۔

ان سابقات اسلام کے اسمائے گرامی میں چند نام یہ ہیں۔

حضورؐ کی پہلی اہلیہ حضرت خدیجہؓ اسدی تھیں، حضرت ابو بکرؓ کی اہلیہ ام رومان اور ان کی والدہ ام الخیر تھیں، حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ عدوی تھیں، بنو

عدی کی ایک با اثر خاتون شفاء بنت عبداللہ عدوی تھیں، حضرت زید ابن حارثہ کی اہلیہ ام ایمن کلبی تھیں، حضرت عثمان غنی کی اہلیہ رملہ بنت شیبہ اموی تھیں، حضرت ابو حذیفہ کی بیوی سملہ بنت سہل اموی تھیں، حضرت زینب بنت جحش بنو غنم سے تعلق رکھتی تھیں جو بنی امیہ کا حلیف تھا، حضرت عبداللہ ابن ابی بکر صدیق کی اہلیہ عاتکہ بنت زید عدوی تھیں، (یہ وہی زید ہیں جو قبل از نبوت توحید پرست ہو گئے تھے) حضرت ابو بکر کی بہن ام کلثوم بڑی بیٹی اسماء بنت ابی بکر اور چھوٹی بیٹی حضرت عائشہؓ تیمی خاندان کی چشم وچراغ تھیں، حضرت ام فضل زوجہ حضرت عباس قریشی تھیں۔

حضرت ارقم کا مکان اسلام کی پہلی پناہ گاہ تھا، ظاہر ہے کہ ان کی بیوی بھی اپنے نوجوان شوہر کے ساتھ مشرف باسلام ہوئی ہوں گی ورنہ ان کا گھر ابتدائی آٹھ مسلمانوں کی پناہ گاہ نہ بنتا، لیکن تاریخ نے اس بہادر خاتون کا نام نہیں لیا۔ ارقم قبیلہ مخزوم کے نوجوان تھے، ابو جہل کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

حضرت ام حبیبہ اموی کے عقد کی عظمت!

حضرت ام حبیبہ کا اصلی نام رملہ تھا، حبیبہ ان کی لڑکی تھی، انہیں کے نام سے آپ کی کنیت مشہور تھی، یہ مشہور دشمن اسلام ابو سفیان ابن حرب اموی کی لڑکی تھیں جو بعد میں مسلمان ہو کر حامی اسلام ہو گئے تھے۔

ام حبیبہ کے شوہر عبداللہ ابن جحش تھے جن کا تعلق قبیلہ بنو غنم سے تھا، یہ قبیلہ بنی امیہ کا حلیف تھا۔ ام حبیبہ اور ان کے شوہر ابتدائی عہد کے مسلمان ہیں اور انہوں نے حبشہ کی ہجرت میں شرکت کی۔

عبیداللہ حبشہ کے عیسائی ماحول سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا مگر حضرت ام حبیبہ اپنے اسلام پر قائم رہیں اور ان کی بیٹی حبیبہ

نے بھی اپنی ماں کا ساتھ دیا۔

معلوم ہوا کہ ام حبیبہؓ نے اپنے شوہر کی محبت میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ عیسائی ہو جاتیں۔ام حبیبہ نے پورے شعور و شوق کے ساتھ اسلام قبول کیا اور اس طرح ام حبیبہ کا اسلام قبول کرنا دشمن اسلام، باپ کی جھوٹی عزت کو خاک میں ملانے کی ایک آسمانی اور غیبی تدبیر تھی۔ اتفاقی واقعہ نہ تھا۔

پھر ام حبیبہؓ کے باپ ابوسفیان کے علاوہ ان کی ماں ہندہ کس قدر متعصب اور سخت مزاج عورت تھی؟ یہ بھی ظاہر ہے۔ اسلام قبول کرنے کے علاوہ ام حبیبہ نے پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ قدم اٹھایا کہ اپنے دشمن ماں باپ کی غیرت کو للکار کر رسول اکرم ﷺ کے حرم میں داخل ہونا منظور کر لیا اور حضورؐ کی غلامی کا شرف حاصل کر لیا۔

عبید اللہ اسی حالت پر مر گیا، ام حبیبہ عدت گذار رہی تھیں کہ ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ام حبیبہ کو یا ام المؤمنین؟۔ اے ایمان والوں کی ماں۔ کہہ کر پکار رہا ہے۔

اس خواب سے ام حبیبہ بہت حیران ہوئیں۔ عدت ختم ہوئی اور اچانک رسول پاکؐ کے ایک قاصد حضرت عمرو ابن ایلہ ضمری حبشہ کے حکمراں نجاشی کے پاس پہنچے اور انہوں نے حضورؐ کی طرف سے یہ پیغام پہونچایا کہ اگر ام حبیبہ میرے حرم میں شامل ہونا پسند کریں تو تم میری طرف سے وکیل بن کر ان سے میرا عقد کرادو۔

نجاشی نے اپنی ایک باندی ابرہہ کو حضورؐ کا پیغام دے کر ام حبیبہ کے پاس بھیجا، ام حبیبہ کے خواب کی تعبیر سامنے آگئی، خوشی اور مسرت کے جوش میں

اپنے ہاتھ کے کنگن پیروں کے پازیب اور انگلیوں کے چھلے اور انگوٹھیاں اتار کر ابرہہ کو دیدیں اور حضورؐ کا پیغام منظور کر لیا۔

نجاشی نے مجلس نکاح کا اعلان کر دیا، مہاجرین حبشہ حضرت جعفر طیار وغیرہ مجلس نکاح میں شریک ہوئے، نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّهُ الَّذِىْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسٰى بْنَ مَرْيَمَ عليه السلام

اما بعد فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى ان ازوجه ام حبيبة بنت ابى سفيان فاجبت الى ما دعا اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد اصدقتها اربعمائة دينار

حمد ہے خدائے قدوس اور خدائے غالب اور عزیز اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں، اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔

اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں، میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔

اور اسی وقت وہ چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الحمدلله احمده واستعينه واستغفره واشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله ارسله بالهدى

ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون.

اما بعد! فقد اجبت الى مادعا اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وزوجته ام حبيبة بنت ابی سفيان فبارك الله لرسول الله صلى الله عليه وسلم.

الحمدللہ! میں اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں جن کو اللہ تعالی نے ہدایت اور دین برحق دیکر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد! میں نے آں حضرت ﷺ کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ کا نکاح کردیا، اللہ تعالی مبارک فرمائے۔

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا نجاشی نے کہا ابھی بیٹھیے، حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے، چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہوکر سب رخصت ہوئے، مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہؓ کے پاس پہونچی تو ابرہہ کو بلاکر پچاس دینار اور دیئے، ابرہہ نے یہ پچاس دینا اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کردیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کردی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں، اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہوچکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کرچکی ہوں، اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے وہ آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں، چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر لے کر آپ کے پاس آئی، ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا، اور اپنے ساتھ

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئی، اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ سے میرا سلام کہدینا اور یہ عرض کردینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہوگئی ہوں، میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو! میری درخواست کو بھول نہ جانا، چنانچہ جب میں مدینہ پہونچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے، آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہہ کا سلام پہونچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا مگر صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

چونکہ بعثت سے ۱۷ سال پہلے آپ پیدا ہوئیں لہٰذا اس حساب سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال اور وفات کے وقت ۷۴ سال کی تھی۔

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تمکو معلوم ہے، جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا، اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے، میں نے کہا سب معاف ہے اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ ام حبیبہؓ نے فرمایا اے عائشہؓ تم نے مجھ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہؓ کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی (اخرجہ ابن سعد واصابہ ترجمہ ام المؤمنین رملہ بنت ابی سفیان)۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خطبہ نکاح اور ولیمہ ملت ابراہیمی کا شعار تھا، چنانچہ حضرت خدیجہ کے عقد میں حضرت ابو طالب نے خطبہ پڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق حضورؐ کی طرف سے نمائندگی کی۔

ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ولیمہ عقد کے دن ہوا، شب عروسی کے بعد

نہیں ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ میں دعوت ولیمہ کیلئے یوم عقد کی ہی فضیلت بیان کی ہے۔

شاہ صاحب نے اس کی مصلحت یہ بیان کی ہے کہ لڑکی کی عظمت اسی میں ہے کہ لڑکے والا عقد کے دن دعوت کرے اور یہ دعوت شکرانہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے ایک رفیقۂ حیات عطاء کی۔

ام حبیبہ پر نبوت کا اثر پڑا!

کہا جاسکتا ہے کہ ام حبیبہ رسول اکرم ﷺ کی شخصی عظمت سے متاثر ہوئیں، حضورؐ کی نبوت سے نہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ ام حبیبہ کا باپ ابوسفیان حضورؐ کے چچاؤں، ابوطالب، عباس اور ابولہب کی ٹکر کا تھا ابوسفیان کا باپ حرب آپ کے دادا عبدالمطلب کا ہم سر تھا اس لئے حضورؐ کی قبائلی عظمت سے ابوسفیان کی خاندانی عظمت کم نہ تھی۔ ام حبیبہ صرت حضورؐ کے کمالات نبوت سے متاثر ہوئیں۔

ابوسفیان کی دوسری بیٹی!

ابوسفیان کی دوسری بیٹی کا نام حمیہ تھا، یہ سعد ابن مالک کی ماں تھیں، ان کے مزاج کے تشدد اور اسلام کے ساتھ دشمنی کے جذبہ کا یہ حال تھا کہ سعد کے ایمان لانے کے بعد انہوں نے بھوک ہڑتال کر دی تھی اس بھوک پیاس کی حالت میں جب وہ مرنے کے قریب ہو گئیں تو سعد نے بڑی سختی سے کہا۔

یا امه! تعلمین والله لو کانت لك مائة نفس فخرجت نفسا نفسا ماترکت دینی هذا شئی فان شئت فکلي وان شئت لاتاکلی فاکلت.

اے میری ماں! تم جان لو کہ خدا کی قسم اگر تمہارے پاس ایک سو جانیں ہوں اور وہ جانیں ایک ایک کر کے نکلنی شروع ہو جائیں تو تب بھی میں اسلام کو

چھوڑنے والا نہیں۔

حمیہ نے بیٹے کی اس استقامت کو دیکھ کر بھوک ہڑتال ختم کر دی اور اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا۔

ام حبیبہ کی دعاء!

ام حبیبہ نے ایک روز یہ دعاء مانگی۔

اللهم امتعنی بزوجی رسول الله صلی الله علیه وسلم وبابی ابی سفیان وباخی ابی معاویه.

الٰہی! میرے سر پر میرے شوہر رسول اللہ ؐ کا سایہ اور میرے باپ ابو سفیان اور میرے بھائی معاویہ کا سایہ دراز رکھیو۔

اس وقت یہ دونوں مسلمان تھے۔ حضورؐ نے اپنی ذات کے ساتھ باپ بھائی کی شرکت پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا یہ آپ کی کشادہ دلی تھی، آپ کا بڑا پن تھا۔

ہر عورت کو شوہر کے علاوہ اپنے ماں باپ اور اپنے بہن بھائیوں کی محبت بھی ہوتی ہے، حضور بیویوں کے اس فطری جذبہ کا احترام کرتے تھے اس لئے آپ ناراض نہیں ہوئے بلکہ اتنا کہا۔

ام حبیبہ! عمریں تو اللہ کے یہاں ہم سب کی مقرر ہو چکی ہیں تمہیں اللہ تعالی سے اس کے فضل و کرم کی دعاء کرنی چاہیے تھی۔ (مسلم شریف)

حضور ﷺ کی رضاعی ماں "ام ایمن" کی فضیلت

نزول وحی کا دور خدا تعالی ار ر رسول پاک ﷺ کے درمیان ہم کلامی کا دور تھا۔
اس ہم کلامی کے انوار امت پر برستے تھے، روحی الہی امر رب حکم رب اور کلام رب کا ظہور ہے، اس لئے روح انسانی کا کلام الہی کے ساتھ خاص تعلق ہے، خاص ربط ہے۔ دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ذات ہے، دونوں صفتوں کا موصوف ایک ہی ہے اس سبب سے نزول وحی اور نزول قرآن سے روحانیت پر سرور وشادمانی اور اور اثرات نورانی طاری ہوتے تھے۔

ان اثرات وانوار کی حقیقت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی اسی طرح جس طرح مادی اشیاء کے ذائقہ کو الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کیا جاسکتا کوئی کیا بتائے کہ آم کا ذائقہ کیا ہوتا ہے اور سیب وانار کا ذائقہ کیا ہوتا ہے؟ ذائقہ چکھنے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی وفات اور آپ کی جدائی کے اس پہلو کو حضرات صحابہ میں حضورؐ کی رضاعی ماں حضرت ام ایمن نے زیادہ محسوس کیا۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ایک روز حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے کہا۔

عمر! میرے ساتھ چلو، حضرت ام ایمن کی زیارت کر آئیں کیونکہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورہا۔

حضورؐ بھی ان کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے، ام ایمن حضرت آمنہ کی باندی تھیں جو جناب عبد اللہ کے بعد ان کی اہلیہ کے حصہ میں آئی تھیں۔

یہ حبشی النسل تھیں، ثویبہ (ابو لہب کی باندی) اور ام ایمن دونوں نے حلیمہ سعدیہ سے پہلے حضورؐ کو دودھ پلایا تھا، حضورؐ ام ایمن کو یاامی۔ اماں جان کہہ کر پکارتے تھے ان کا نام برکہ تھا، ام ایمن کنیت تھی۔

محبت کے چار رشتے جمع تھے!

ام ایمن میں حضور علیہ السلام کے لئے محبت کے چار رشتے جمع ہو گئے تھے وہ خادم رہ چکی تھیں حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی، وہ رضاعی ماں تھیں سرور کون ومکاں کی، پھر وہ بہو تھیں حضورؐ کے منہ بولے بیٹے زید کی اہلیہ ہونے کے رشتے سے۔

اس تعلق خاص میں ام ایمن کا کوئی شریک نہ تھا۔ اس وجہ سے خداتعالی کی طرف سے ام ایمن کو اس روحانی دولت کا بڑا حصہ ملا جو دولت حضور کو عطاء کی گئی تھی۔

اللہ تعالی نے ام ایمن کو اپنے حبیب کی رضاعت اور محبت کا یہ انعام دیا تھا کہ ام ایمن وحی الہی کے نزول کی روحانی برکات کا مشاہدہ کرتی تھیں۔

ام ایمن کے قلب میں اللہ تعالی نے روحانی انوار کے ادارک کی خاص قوت ڈالی تھی۔

یہ ادارک اور قلبی علم بدرجہ کمال حضرات انبیاء کرام کو عطا کیا جاتا ہے حضور کی اس قوت ادراک کا حال یہ تھا کہ جب جبریل امین لوح محفوظ سے وحی الہی لیکر چلتے تھے تو حضورؐ زمین پر اسے محسوس کرلیا کرتے تھے

گوش مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ

سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے۔

یعنی قرآن کریم جب لوح محفوظ سے منتقل ہو کر حضورؐ کی طرف چلتا تھا تو اس کے انوار کی شعائیں غیر محدود اور غیر متعین فاصلہ سے حضورؐ کے قلب اور آپ کے باطن اور آپ کی روح روشن کو منور کر دیتی تھیں۔

اسی روحانی اور قلبی قوت کا ایک حصہ حضرت ام ایمن کو عطاء کیا گیا تھا۔

اب اسی کا اظہار ام ایمن کس طرح کرتی ہیں؟ غور کیجئے۔

ابوبکر و عمرؓ جب ام ایمن کے پاس گئے تو وہ رونے لگیں، ان دونوں حضرات نے کہا

مايبكيكِ؟ اما تعلمين ان ماعندالله خير لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت ابكى لاجل انى لا اعلم ان ما عندالله الخ ولكن ابكى ان الوحى قد انقطع من السماء فهيجتهما على البكاء فجعلايبكيان معها

(مشکوۃ ۵۴۸ بحوالہ مسلم)

اے ام ایمن روتی کیوں ہو؟ حضورؐ تو خدا تعالی کے انعامات خاص سے بہرہ مند ہو رہے ہیں ام ایمن نے کہا یہ بات میں بھی جانتی ہوں کہ اللہ تعالی کے پاس حضورؐ کے لئے جو انعامات ہیں وہ دنیا کی زندگی سے بہتر ہیں، لیکن میں اس وجہ سے رو رہی ہوں کہ وحی الٰہی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

ام ایمن کے اس کہتے سے ابو بکر و عمر بھی ام ایمن کے ساتھ رونے لگے۔

یہ احساس جماعت صحابہ میں صرف ام ایمن کے اندر موجود تھا۔

البتہ اس کا اظہار حضرت ابو بکر نے اپنے پہلے خطبہ خلافت میں ایک دوسرے انداز سے ضرور کیا یعنی آپ نے انقطاع وحی کے حوالہ سے دین کی تکمیل کا اظہار فرمایا۔

حضرت سیدہؓ کا تاثر!

حضرت سیدہ کبریٰؓ نے اپنے محبوب باپ کے وصالپر جو تعزیتی اشعار کہے ان میں بھی وحی الٰہی کے بند ہونے کے پہلو کو اس پوری دنیا کیلئے بڑا حادثہ قرار دیا۔

وہ اشعا حضرت سیدہ کے تذکرہ میں نقل کئے گئے ہیں۔

زید ابن حارثہ، محبوب رسولؐ

خدا تعالی نے رسول اکرم ﷺ کے بیٹے کی فطری محبت کے خانہ کو زید ابن حارثہ کی محبت سے بھرا اور حضور نے اپنے غلام زید کو وہ محبت دی جو ایک بیٹے کو دی جاتی ہے۔

حضرت زید یمن کے ایک نہایت باعزت قبیلہ (بنی قضاعہ) سے تعلق رکھتے تھے ان کی والدہ (سعدی) اپنے بچہ کے ساتھ سفر کر رہی تھیں کہ بنو قین قبیلہ کے ڈاکو ان کے بچہ کو اٹھا کر لے گئے اور انہیں مکہ کے بازار عکاظ میں لا کر ایک غلام کے طور پر حکیم ابن حزام کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حکیم ابن حزام نے یہ لڑکا اپنی بھانجی حضرت خدیجہ کبریٰ کو خدمت کیلئے دیدیا۔

حضرت خدیجہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کے بعد زید کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حضرت زید کے والد اپنے بیٹے کے فراق میں روتے رہے اور ان کی تلاش جاری رہی ایک سال کے بعد یمنی قبیلے بنی کلب کے لوگ حج کے لئے آئے تو انہوں نے زید کو پہچان لیا اور حضرت زید کو ان کے باپ کا ماجرائے غم سنایا۔

زید نے خاندان نبوت کے علمی ماحول میں تربیت پائی تھی اس لئے اپنے غم زدہ باپ کو تسلی دیتے ہوئے دو بہترین شعر کہہ کر باپ کے پاس بھیج دیئے۔

اَحَنُّ الی قومی وان کنت نائیا   بانی قطین البیت عند المشاعر

فانی بحمدالله فی خیر اسرة   کرام معد کابراً بعد کابر

میں اپنی قوم سے ملنے کا مشتاق ہوں، اگرچہ میں ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں رہتا ہوں اور مشعر حرام کے قریب ہوں الحمد للہ! میں بہترین قیدیوں میں سے ہوں اور قبیلہ معد کے اندر ہوں جو قبیلہ پشتہاپشت سے باعزت ہے۔

ان کے باپ اپنے بیٹے کی خبر پا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لخت جگر کی واپسی کی درخواست کی۔

رسول پاک ﷺ کو زید سے گہرا تعلق قائم ہو چکا تھا آپ ان کے باپ کی درخواست سن کر ایک لمحہ کے لئے سوچ میں پڑ گئے اور پھر فرمایا۔

کیا زید کے سوا تم کوئی دوسری حاجت رکھتے ہو؟ باپ نے جواب دیا حضور! صرف اپنا بیٹا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا۔

اچھا زید کو اختیار دیدو، وہ جس کو پسند کرے اس کی پسند پر چھوڑ دو، زید اگر مجھے پسند کرے گا تو خدا کی قسم! میں اپنی ذات کو ترجیح دینے والے شخص پر دوسرے کسی شخص کو ترجیح نہیں دے سکتا یعنی میں زید کی دل شکنی نہیں کر سکتا، وہ مجھے ترجیح دیتا ہے تو یہ میری مجبوری ہے۔

حضور نے زید سے پوچھا، زید نے کہا، میں اپنے باپ اور چچا کو پہچان رہا ہوں لیکن یارسول اللہ آپ ہی میرے باپ اور میری ماں ہیں میں آپ جیسے مشفق ومہربان باپ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ چلا جاؤں یہ نہیں ہو سکتا ۔

جب تک بکا نہ تھا کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

ان کے والد اور چچا زید کی باتیں سنکر حیرت میں پڑ گئے ان کے والد نے کہا زید یاماں باپ کے ساتھ آزاد زندگی پر غلامی کو پسند کر رہا ہے، زید نے برجستہ جواب دیا کہ رسول پاک کی غلامی پر میں اس آزادی کو قربان کرتا ہوں۔

حضرت زید کی اس وفاشعاری سے رسول پاک ﷺ خوش ہو گئے اور زید کو آزاد کر کے انہیں عرب کے قدیم رواج کے مطابق متبنیٰ (لے پالک بیٹا) بنانے کا قوم میں اعلان فرمایا اور کعبۃ اللہ میں حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔

یامن حضر! اشهدوا ان زیدا ابنی، یرثنی وارثه

اے حاضرین کعبہ! گواہ ہو جاؤ کہ زید میرا بیٹا ہے، وہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔

زید کے چچا اور دوسرے رشتہ داروں نے حضور کا یہ فیصلہ اور اعلان سنا۔

قریش عرب کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم کے سردار اور خدا کے محترم رسول حضرت محمد ابن عبد اللہ کا یہ اعلان زید اور زید کے پورے خاندان کے لئے غیر معمولی فخر و شرف کا سامان تھا، جس نے زید کے باپ اور چچا کی رنجیدگی کو خوشی میں تبدیل کر دیا اور حضورؐ کی اس محبت کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گئے۔

اس وقت سے عرب کے قدیم طریقہ (متبنی، لے پالک) کے مطابق زید کو حضورؐ کی طرف نسبت کر کے زید ابن محمدؐ کہا جانے لگا۔

یہ واقعہ ابتداء اسلام کا ہے۔

قرآن کریم نے اس رواج کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دینے کی ممانعت کا نازل کی اور فرمایا۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاءِ هِمْ هُوَ اَقسطُ عِنْدَاللّٰهِ فَاِنْ لَمْ تَعْلَمُوْآ اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ (احزاب ۵)

ان لے پالک لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے پکارا کرو، یہ بات پورے انصاف کی ہے خدا کے نزدیک پھر اگر ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو بہر حال وہ تمہارے دینی بھائی اور دینی رفیق ہیں۔

اس حکم کے بعد حضور ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا۔

انت اخونا و مولانا، اے زید! تم ہمارے بھائی اور رفیق ہو، یہ حکم ہجرت کے پانچواں سال نازل ہوا اور اس کے بعد حضرت زید کو ان کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے زید ابن حارثہ کہا جانے لگا۔

حضرت زید پہلے مسلمان ہیں آپ اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی حضرت خدیجہ اور حضرت ابو بکر اور حضرت علی کے ساتھ ایمان لائے۔

حضرت زید کی شادی!

حضور علیہ السلام نے ان کی شادی حضرت ام ایمن (برکۃ نام) کے ساتھ کی ام ایمن حضور کے والد محترم حضرت عبداللہ کی باندی تھیں جو حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت آمنہ کے حصہ میں آئیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو رسول پاک کو دودھ پلانے کی سعادت و شرافت حاصل ہوئی، رسول پاکؐ انہیں "ماں" کہہ کر پکارتے تھے انہی کے مبارک بطن سے اسامہ پیدا ہوئے۔

ام ایمن ایک عمر رسیدہ حبشی خاتون تھیں، حضورؐ نے ایک دن فرمایا ام ایمن سے کون نکاح کرتا ہے؟ اسے میری طرف سے جنت کی بشارت حاصل ہو۔

حضرت زید اپنے محبوب آقاء کی زبان مبارک سے یہ بشارت سنکر دوڑ پڑے اور عرض کیا، حضور! میں حاضر ہوں حضورؐ نے زید کے ساتھ ام ایمن کا عقد کر دیا۔

ام ایمن کی وفات کے بعد آپ نے زید کا عقد اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کے ساتھ کر دیا، مگر سوء اتفاق سے یہ رشتہ قائم نہ رہ سکا اور دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔

حضرت زید کی عظمت کا قرآنی اعلان

حضرت زید کی عظمت کیلئے یہ بات بہت وزن دار ہے کہ بارہ سال تک مسلمانوں نے زید کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کی حیثیت سے "زید ابن محمد" کہہ کر پکارا۔

اس عظمت کا اظہار قرآن کریم نے ایک اہم موقعہ پر بڑے عجیب انداز میں کیا صورت یہ پیش آئی کہ حضرت زینب کے دل میں قریشی ہونے کی نخوت پیدا ہو گئی اور انہوں نے نکاح کے کچھ دنوں بعد ہی زید سے طلاق حاصل کرنے پر اصرار کیا۔

رسول پاکؐ نے زندگی کو تلخیوں سے بچانے کے لئے زید کو مشورہ دیدیا کہ

زینب کو طلاق دیدی جائے۔

قرآن کریم نے اس سادہ سی بات کو کہ زید نے زینب کو طلاق دیدی، ایک سادہ انداز (فلما طلقھا زید) میں بیان کرنے کے بجائے ایک استعاراتی اور مجازی اسلوب میں بیان کیا اور فرمایا۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا (احزاب ۳۷)

جب زید نے زینب سے اپنی ضرورت وحاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کردیا یہ عام اہل تراجم کے الفاظ ہیں، مولانا تھانوی نے محاورہ میں اس طرح کردیا کہ جب زید کا زینب سے جی بھر گیا۔

قرآن کریم نے اس استعارہ کے اسلوب میں حضرت زید کی عظمت کا اظہار کیا اور حضرت زینب کی طرف سے آپ کی تحقیر کا جو تصور پھیل رہا تھا اس کا جواب اس انداز سے دیا کہ پہلے تو اشارہ سے کام لینے کے بجائے زید کا نام نامی ذکر کیا اور نام کی تصریح کی اور پھر طلاق دینے کے واضح الفاظ کی جگہ بطور استعارہ ایک محاورہ استعمال کیا کہ زید کا زینب سے جی بھر گیا۔ یعنی طلاق دیدی۔

البتہ قرآن کریم نے حضرت زینب کی دل داری کا بھی خیال رکھا حضور علیہ السلام کے فعل نکاح کو اپنی طرف منسوب کیا کہ نکاح ہم نے کرایا کیونکہ حضرت زینب امہات المومنین (اہل ایمان کی ماؤں) میں شامل ہونے والی تھیں۔

اس عظمت کو قائم رکھنے کے لئے قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کے فعل نکاح کو اپنا فعل قرار دیا اور یہ کہا کہ ہم نے زینب کا نکاح اس سے یعنی نبی علیہ السلام سے کرایا۔ اس عاجز نے قرآن کریم کے اس بلیغ استعاراتی اسلوب کی حکمت عربی اور اردو تفاسیر میں بہت تلاش کی مگر اسے کامیابی نہ ہو سکی۔

اہل علم مذکورہ اشارہ لطیف سے اگر متفق ہوں تو اس خاکسار کو مطلع کریں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت اسامہؓ!

رسول پاک ﷺ حضرت اسامہ سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی محبت اپنے حقیقی پوتے کے ساتھ کی جاتی ہے، کیونکہ حضور کو اسامہ کی شکل وصورت میں اپنی رضاعی ماں ام ایمن کی شبیہ نظر آتی تھیں، حضورؐ کی آغوش محبت اسامہ کے لئے اسی طرح کھلی رہتی تھی جس طرح اپنے نواسوں حسن وحسین کیلئے۔

ایک روز اسامہ چوکھٹ سے ٹکرا کر گر پڑے اور ان کی پیشانی پر زخم آ گیا، حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا، اسامہ کا خون پونچھ دو، حضرت عائشہ کو کراہت محسوس ہوئی حضورؐ نے خود اسامہ کے زخم پر اپنا شفاء بخش لعاب دہن لگا دیا۔

حضور کبھی کبھی محبت کے جوش میں اسامہ سے مزاح (مذاق) بھی فرماتے تھے ایک روز حضرت عائشہ کے دولت کدہ پر اسامہ حضور کے پاس پہنچے آپ نے اسامہ کی طرف دیکھا اور مسکرائے اور پھر فرمایا۔

اسامہ اگر بیٹی ہوتی تو میں اسے خوبصورت زیورات سے آراستہ کرتا تاکہ اس کی خوبصورتی کا ہر طرف چرچا ہو اور ہر طرف سے اس کیلئے شادی کے پیغام آئیں۔

اسامہ کو حضورؐ کے دربار عالی میں جو رسوخ ورابطہ حاصل تھا اس کی وجہ سے صحابہ کرام کسی کام کی سفارش اسامہ کے ذریعہ حضور کی خدمت میں پہنچاتے چنانچہ بنی مخزوم کی ایک عورت پر چوری کا الزام تھا، اس قبیلہ نے اس عورت (فاطمہ) کی سفارش کے لئے اسامہ ہی کو بھیجا، مگر رسول اکرم ﷺ قانون الٰہی اور حدود اللہ کے معاملہ میں بہت سخت واقع ہوئے تھے، آپ نے اسامہ کی سفارش کو رد کر دیا اور فرمایا۔

بنی اسرائیل یہود کے اندر انصاف کے معاملات میں بھی امتیاز اور بھید بھاؤ کیا جاتا تھا۔

یہود کے علماء بڑے لوگوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور چھوٹے آدمیوں پر حد جاری کر کے ان کے ہاتھ کاٹ دیا کرتے تھے مگر میں انصاف کے معاملہ میں امتیاز اختیار نہیں کر سکتا۔

واللہ! یہ تو قبیلہ مخزوم کی فاطمہ ہے۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی ہوتی اور (بالفرض) وہ چوری کا گناہ کرتی تو میں اس پر بھی چوری کی سزاء (قطع ید) جاری کر دیتا (بخاری مناقب اسامہ)

حضور علیہ السلام کی محبت کو دیکھ کر بعض منافقین اسامہ سے حسد کرتے تھے اور انہیں بدنام کرنے کی غرض سے یہ الزام تراشی کرتے تھے کہ اسامہ حضرت زید کے نطفہ سے نہیں ہیں۔

حضور ﷺ کو منافقین کی اس الزام تراشی سے بہت تکلیف پہنچتی تھی۔

چنانچہ ایک روز مجرز مدلجی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ شخص قیافہ شناسی میں بڑا ماہر تھا، اس وقت حضرت زید اور اسامہ دونوں باپ بیٹے ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور دونوں کے پیر چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

مدلجی نے ان پیروں کو دیکھ کر کہا، یہ دونوں قدم ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہیں، یہ سن کر حضور کو فطری طور پر بہت خوشی ہوئی اور حضرت عائشہ کے پاس ہنستے ہوئے تشریف لے گئے اور فرمایا۔

عائشہ! تم نے سنا، مجرز نے ابھی زید اور اسامہ کے قدم دیکھ کر کہا، یہ دونوں قدم ایک دوسرے سے پیدا ہیں۔ حضورؐ کے خوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے لوگ قیافہ شناسوں کی بات پر بڑا دھیان دیتے تھے ان کی زبانیں اس سے بند ہو جاتیں، ورنہ حضورؐ کے یقین واعتماد میں کوئی کمی نہیں تھی اور نہ آپ کاہنوں، نجومیوں اور قیافہ شناسوں کی باتوں پر یقین کرتے تھے۔

حضورؐ کی وفات کے وقت اسامہ اٹھارہ سال کے تھے اگر اسامہ حضورؐ کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے تو علم و فضل میں بھی ان کا درجہ اصحاب علم صحابہ کے برابر ہوتا، پھر بھی اسامہ سے مختلف احکام و ہدایات کی (۱۲۸) روایات منقول ہیں۔

حضرت زید غزوہ موتہ میں شہید ہوئے، حضرت اسامہ حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ یا بیس سال کے تھے۔

یرموک کے غزوہ میں حضورؐ نے اسامہ کے ہاتھ میں پرچم دے کر انہیں لشکر اسلامی کا سپہ سالار بنایا تھا، یہ لشکر آپ کی وفات کے بعد جنگ کے لئے روانہ ہوا۔

حضرت اسامہ عثمان غنی کی شہادت کے بعد وادی القرای چلے گئے تھے، وہیں آپ نے وفات پائی۔

حضرت زید کی عظمت!

حضرت زید کی عظمت کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ انہوں نے (۹) دفعہ اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کے منصب پر رہ کر شجاعت کے جوہر دکھائے۔

حضورؐ نے غزہ مریسیع کے موقع پر حضرت زید کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ زید اگر حضورؐ کی وفات کے وقت زندہ ہوتے تو حضورؐ زید کو اپنا جانشین مقرر کرتے۔

صحابہ کرام زید کے اہل و عیال کا بھی اس درجہ احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مسجد نبوی میں زید کے پوتے محمد ابن اسامہ کو کھیلتے دیکھا تو تعظیم سے سر جھکالیا اور فرمایا۔

حضورؐ اگر اسے بھی دیکھتے تو اس سے اس کے باپ کی طرح محبت کرتے۔

حضورؐ کے اجداد کرام!

حضور اکرم ﷺ کے اجداد کرام والد جناب عبداللہ سے لیکر اوپر عدنان

تک جتنے افراد گزرے ہیں ان کے بارے میں ملت ابراہیمی پر قائم رہنے کا ثبوت تاریخوں میں موجود ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے!

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا نسب مبارک عدنان تک بیان فرماتے تھے، اس سے آگے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

اس لیے محدثین عدنان تک کے سلسلہ کو یقینی قرار دیتے ہیں اس سے اوپر حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم تک کا سلسلہ یقینی نہیں ہے۔

محمدؐ ابن عبداللہ ابن شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن حضر ابن نزار ابن معد ابن عدنان (بخاری)

آپ کا مادری سلسلہ نسب کلاب ابن مرہ پر پدری سلسلہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے سیرۃ المصطفیٰ جلد اول میں حضور ﷺ کے اجداد کرام کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اور آخر میں کہا ہے۔

"اور سلسلہ نسب کے آباء کرام میں بہتوں کے متعلق احادیث مرفوع اور اقوال صحابہ سے معلوم ہو چکا کہ ملت ابراہیمی پر تھے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) اور جن آباء و اجداد کے ملت ابراہیمی پر ہونے کی احادیث میں تصریح نہیں ان کے احوال ان کے صحیح الفطرت اور سلیم الطبع ہونے پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ (۵۷)

علماء محققین کی اس وضاحت کے بعد حضور علیہ السلام کے والدین جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ کے بارے میں جن روایات کے اندر کفر و ایمان کی بحث

کی گئی ہے وہ روایات ناقابل اعتبار تسلیم کی جائیں گی اور علماء حق کا یہی مسلک ہے۔

ظاہر ہے کہ تین چار ہزار سال تک جو قوم اور قبیلہ اپنے جداعلی حضرت ابراہیم واسماعیل کی ملت پر قائم رہا، صرف آخری تین صدیوں میں عوام میں شرک کی برائی ضرور پھیلی، اس قوم کے خواص اور اشراف میں حضور علیہ السلام کے ماں باپ ملت ابراہیمی سے محروم تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔

یہی معاملہ حضور علیہ السلام کے محترم چچا جناب ابو طالب کا ہے۔

ابو طالبؑ کی زندگی میں اپنی خاندانی خصوصیات کے علاوہ خدا کے مقدس رسول کے ساتھ دلی ہمدردی، خدمت اور نصرت کا جو برتاؤ ملتا ہے اس کے پیش نظر ان کے ایمان لانے کی روایت کو ایمان سے محرومی کی روایت پر ترجیح حاصل ہو گی۔

پوری تفصیل آگے آئے گی۔

سورہ توبہ اور سورہ قصص کی آیات!

قرآن کریم نے مشرکین کے حق میں دعاء مغفرت کرنے کی ممانعت کے مسئلہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے باپ آزر کے واقعات کے ذیل میں واضح کیا ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُوْلِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (سورہ توبہ ۱۱۴)

نبی اور اہل ایمان کے لئے یہ بات سزاوار اور مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں دعاء مغفرت (آخرت کے عذاب سے نجات) کی دعاء کریں اگرچہ وہ لوگ رشتہ دار ہوں اس حقیقت کے بعد کہ ان کا (کفر پر مرنے کی وجہ سے) جہنمی

ہونا ظاہر ہو چکا ہو اور رہا معاملہ ابراہیم کے اپنے باپ کے لئے استغفار کرنے کا تو دراصل اس کی صورت یہ تھی کہ ابراہیم نے اپنے باپ سے (گھر سے ہجرت کرتے وقت) یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ان کے لئے دعاء مغفرت کرے گا لیکن جب (کفر پر مرنے کے کی وجہ سے) یہ بات کھل گئی کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس نے اپنے باپ سے براءت ظاہر کی اور اس سے بے تعلق ہو گیا۔ بے شک ابراہیم بڑا دردمند اور بردبار تھا۔

مفسرین عربی نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حضور ﷺ کے چچا ابو طالب اور آپ کے محترم والدین (جناب عبداللہ اور حضرت آمنہ) کے کفر وایمان کی روایات نقل کی ہیں۔ جن میں یہ دکھایا ہے کہ حضورؐ نے اپنے چچا کو دعوت توحید دی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور آپ نے اپنے والدین کے حق میں دعاء مغفرت کرنی چاہی مگر اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو روک دیا گیا۔

اسی مفہوم کی ایک آیت سورہ قصص (۵۶) میں آئی ہے، جو یہ ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (قصص ۵۶)

اوپر کی آیات میں نجران کے ان عیسائیوں کا اور حبشہ کے ان علماء نصاری (قسیسین) کا تذکرہ کیا گیا ہے جو سرور عالم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔

اسی طرح ان آیات کے مصداق میں وہ علماء یہود (عبداللہ ابن سلام) بھی داخل ہیں جو حضورؐ پر ایمان لائے۔

ان نو مسلم اہل کتاب کے بارے میں سرداران قریش نے جو الزام تراشیاں اور بے ہودگیاں کیں انہوں نے ان سے اعراض کیا اور ان کے حق میں سلامتی

کی دعاء کر کے چلے گئے۔

اس سلسلہ میں خدا تعالی نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے نبی ﷺ آپ جس کو چاہیں اسے ہدایت پر نہیں لا سکتے البتہ اللہ تعالی جسے چاہے ہدایت کرے اور وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت پانے کے قابل ہے

اصولی طور پر اس آیت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی قوم قریش کی ہدایت کیلئے کس قدر جدوجہد کرتے ہیں مگر خدا تعالی ان میں سے اور ان کے علاوہ دوسری قوموں میں سے جس کو ہدایت پر لانا چاہتا ہے لے آتا ہے۔

رسول و نبی کا فرض جدوجہد جاری رکھنا ہے وہ فرض نبی علیہ السلام ادا کرتے ہیں ان آیات (۵۶) کی تفسیر میں بھی بعض مفسرین نے جناب ابو طالب کے کفرو ایمان کی روایات نقل کی ہیں۔

آیت قصص (۵۶) کی تشریح روح المعانی میں!

علامہ محمود آلوسی بغدادی (۱۲۱۷ھ) نے اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں آیت قصص کے تحت جو تشریح کی وہ حسب ذیل ہے۔

ومسألة اسلامه خلافيه وحكاية اجماع المسلمين والمفسرين على الآية نزلت فيه لاتصح

جناب ابو طالب کے اسلام کا معاملہ اختلافی ہے اور یہ کہنا کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے صحیح نہیں ہے۔

ثم انه على القول بعدم اسلامه لا ينبغي سبه والتكلم فيه بطول الكلام فان ذالك يتاذى به العلويون بل لايبعد ان يكون ممايتاذى به النبي صلى الله عليه وسلم الذى نطقت الآية بناء أ على الروايات بحبه اياه والاحتياط لايخفى على ذى فهم .

پھر اسلام نہ لانے کے قول کو تسلیم کرنے کی صورت میں بھی کسی طرح یہ بات مناسب نہیں کہ ابو طالب کی شان میں گستاخی کی جائے اور اس فضول اور بے مقصد کلام میں پڑا جائے اور اس بحث میں حصہ لیا جائے اور اسے مثال کے طور پر پیش کیا جائے کیونکہ اس سے اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دل آزاری ہوتی ہے بلکہ یہ بات بھی بعید نہیں کہ اس بحث سے رسول اکرم ﷺ کو بھی ذہنی اذیت (طبعی طور پر) ہوتی ہو، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ ابو طالب کو حضور علیہ السلام کے ساتھ محبت تھی لہذا ہر عقل مند آدمی کو اس میں احتیاط کرنی چاہیے۔ (سورہ قصص ۹۷)

شِعبِ ابی طالب کی گواہی!

حضور ﷺ کو مکہ کی جس گھاٹی میں تین سال تک نظر بند رکھا گیا تاریخ نے اس کا نام بھی شعب ابی طالب رکھدیا تاکہ اس وفا شعار چچا نے رفاقت و کفالت محمدی میں جو تکلیفیں اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان ناقابل برداشت تکلیفوں سے نڈھال ہو کر ابو طالب وفات پا گئے یہ گھاٹی قیامت تک اس کی گواہ ہے۔

علامہ بغدادی نے اس مسئلہ میں شیعہ فرقہ کے دلائل کارد کرنے کے بعد لکھا ہے **نعم! لاینبغی للمومن الخوض فیه الخ**

ہاں! ایک مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ابو طالب کے مسئلہ میں اسی طرح غور و خوض کرے جس طرح دوسرے کفار قریش کے مسئلہ میں غور کرتا ہے کیونکہ جناب ابو طالب کو یہ خصوصیت حاصل تھی اور یہ ان کے محاسن اعمال میں سے تھی کہ وہ رسول پاک سے بے حد محبت کرتے تھے۔

پھر جب بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کو آخرت میں ان کی محبت کا صلہ ملے گا اور فائدہ پہنچے گا تو پھر دنیا میں انہیں یہ فائدہ حاصل کیوں

نہ ہو کہ ان کے اسلام اور عدم اسلام کے معاملہ میں زبان بند کی جائے اور انہیں مشرکین قریش ابو جہل وغیرہ کی سطح پر نہ رکھا جائے اور بعض صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے چچا کو میری شفاعت سے آخرت کی زندگی میں فائدہ پہنچے گا، کس صورت میں پہنچے گا؟ یہ بات الگ ہے۔

اس کے بعد علامہ بغدادی لکھتے ہیں۔

وسبه عندی مذموم جداً لاسيما اذا كان فيه ايذاء بعض العلويين اذا قدورد لاتوذوا الاحياء بِسَبّ الاموات ومن حسن اسلام المرء تركه مالا يعنى" ابو طالب کی شان میں گستاخی کرنا بہت برا ہے، خاص کر اس وجہ سے بھی کہ اس فعل سے بعض علویین (اولاد علی) کی دل آزاری ہوتی ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، زندہ لوگوں کو ان کے مردہ لوگوں کو برا بھلا کہہ کر تکلیف نہ پہنچاؤ اور یہ قول رسول واضح ہے کہ بے مقصد باتوں کو چھوڑنا اسلام کے حسن و کمال میں داخل ہے۔

اولاد علی کرم اللہ وجہہ کا ایک حصہ اہل بیتؑ رسول ہے، جس کی عظمت اور جس کا احترام قرآن کریم اور احادیث صحیح سے ثابت ہے۔

توبہ کی آیات اور عربی مفسرین اور روح المعانی کی تشریح

علامہ بغدادی نے سورہ توبہ کی آیات (۱۱۴) کی تفسیر کرتے ہوئے جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

علامہ نے وہ روایات نقل کر کے جنہیں ابو طالب کے عدم اسلام کا تذکرہ ہے اس کے بعد لکھا ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات توبہ فتح مکہ کے موقعہ پر نازل ہوئیں اور ابو طالب ہجرۃ سے پہلے وفات پاچکے تھے یہ بات صحیح ہے۔

اب اس کی تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ مفسرین نے اپنے عام طریقہ کے مطابق آیت کے مصداق (عدم اسلام ابو طالب) کو شان نزول کہدیا ہے یعنی ان آیات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا بڑا مصداق ابو طالب کا واقعہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکا۔

یہ تو شان نزول کی تاویل ہوئی لیکن اصل مسئلہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے اپنی تاریخ (ابن ہشام) میں ابو طالب کے تذکرہ میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابو طالب نے حضور ﷺ کی دعوت سے پہلے انکار کر دیا تھا اس خوف سے مشرکین قریش مجھے اور میری اولاد کو باپ دادا کا دین چھوڑنے کا طعنہ دیں گے، لیکن اس کے بعد فلما تقاربا من ابی طالب الموت نظر العباس الیه یحرك شفتیه فاصغیٰ الیه باذنه فقال یاابن اخی لقد قال اخی الکلمة التی امرته ان یقولها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لم اسمع.

پھر جب ابو طالب موت کے قریب پہنچے تو حضرت عباس نے ان کی طرف دیکھا کہ ابو طالب کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں اس پر حضرت عباس نے ابو طالب کی طرف اپنے کان جھکائے اور حضور علیہ السلام سے کہا۔

اے بھتیجے! میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جو تم اس سے پڑھوانا چاہ رہے تھے حضورؐ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔

(لیکن حضور علیہ السلام کا سننا شرط نہیں، خود انسان کا اپنا اقرار کافی ہے)

اس گواہی کے علاوہ ابو طالب کے وہ قصیدے گواہ ہیں جن میں انہوں نے حضور کے ساتھ محبت کا اظہار کیا ہے اور عملی طور پر حضور کی مدد کی ہے اس کی ایک تاریخ ہے۔

غیبی سہارا، کفالت کا!

جناب ابو طالب کی عظمت پر قرآن کریم (والضحیٰ) کی یہ آیت بھی

شہادت دے رہی ہے کہ آپ کو خداتعالی نے رسول پاک کی کفالت و پرورش کا غیبی سہارا اقرار دیا، فرمایا۔

الم یجدك یتیماً فاوی اس در یتیم کی وہ پناہ گاہ کونسی تھی؟ وہ علماء اہل سنت کی تصریح کے مطابق جناب ابو طالب کی ذات گرامی تھی آپ نے (۴۲) برس تک اپنے محبوب بھتیجے کو اپنے سایہ عاطفت میں رکھااور دل و جان سے ان کی مدد کرتے رہے۔

عبدالمطلب کا انتخاب غیبی اشارہ!

حضرت عبدالمطلب نے اپنے در یتیم پوتے کی کفالت کے لئے اپنے بیٹوں میں سے جناب ابو طالب کا انتخاب کیا حالانکہ آپ کے لڑکوں میں حضرت عباس بھی تھے، حضرت حمزہ بھی تھے اور ابولہب بھی تھا۔

اس انتخاب کو اتفاقی واقعہ نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ غیبی اشارہ تھا جو عبدالمطلب کے دل میں ڈالا گیا کہ خداتعالی کا فیصلہ ابو طالب کے حق میں ہو چکا ہے اس لئے اے عبدالمطلب تم بھی اس دریتیم کو خدائی فیصلہ کے مطابق ابو طالب کے حوالہ کر دو۔

حضورؐ کے والدین کا معاملہ!

علامہ بغدادی نے توبہ کی مذکورہ آیات کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض علماء کے خیال میں (وزعم بعضهم) یہ آیت (ماکان للنبی والذین آمنوا) حضور علیہ السلام کے ماں باپ کے اسلام کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ علماء وہ روایات نقل کرتے ہیں کہ جن میں یہ آیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے ماں باپ (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ) کے حق میں خداتعالی سے استغفار کی اجازت طلب کی مگر آپ کو اجازت نہیں دی گئی۔

علامہ لکھتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے، اس آیت کے شان نزول سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے علامہ نے اس بحث کو آئندہ کے لئے ملتوی کر دیا۔

علامہ ابن کثیر کی تشریح!

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی اپنی کتاب السابق واللاحق میں اور علامہ سہیلی نے اپنی کتاب روض الانف میں یہ روایت نقل کی ہے کہ

ان الله احیاء امه امر فآمنت ثم عادت ایک روایت میں اباہ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے والد اور آپ کی والدہ کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور پھر انہیں لوٹا دیا۔

حافظ ابن دحیہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ حضورؐ کے والدین کی یہ حیات "حیات جدیدہ" تھی جس طرح حضور علیہ السلام کی دعاء سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس آیا اور آپ نے نماز عصر ادا فرمائی اسی طرح یہ احیاء والدین بھی ایک معجزہ تھا۔

امام قرطبی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ

فلیس احیائهما یمتنع عقلا ولا شرعا قال وقد سمعت ان الله احیا عمه اباطالب فامن به (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۹۴)

یعنی جناب عبداللہ اور جناب آمنہ کا دوبارہ زندہ ہونا نہ تو عقلی طور پر ناممکن ہے اور نہ شرعی طور پر ممنوع ہے اور میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کو بھی دوبارہ زندگی عطاء کی تھی اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے اس کے بعد ابن کثیر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ تمام باتیں صحیح ہو سکتی ہیں کوئی بات ناممکن نہیں البتہ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ روایات صحیح ہوں۔

شاہ عبدالقادر صاحب کی تفسیر!

شاہ صاحب نے سورہ توبہ (۱۱۳) پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب ان روایات (والدین حضورؐ کے عدم ایمان) کی صحت کو اس قابل نہیں سمجھتے کیونکہ یہ روایات صحیحین کی روایت کردہ نہیں ہیں، شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"قرآن میں جو ذکر ہوا کہ ابراہیم نے اپنے باپ کی بخشش مانگی، شاید حضرت کے دل میں بھی آیا ہو اور مسلمانوں نے بھی چاہا کہ قرابت والوں کے حق میں دعا کریں یہ منع آیا، معلوم ہوا مشرک بخشا نہیں جاتا"

(مسند موضح ص ۲۶۵)

شاید کا لفظ بتا رہا ہے کہ شاہ صاحب ان روایات کو کمزور سمجھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی طبعی اذیت!

حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بحث میں حضور علیہ السلام کی طبعی اذیت کے احتمال کا ذکر ہوا ہے۔ (بیان القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۰۰)

یہ طبعی اذیت حضور ﷺ کو حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کے آنے پر بھی ہوئی، جب وہ فتح مکہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں توبہ کر کے حاضر ہوا۔ اس کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اے وحشی! تیری توبہ تو قبول ہوئی لیکن کیا تو میری نگاہوں سے اوجھل ہو سکتا ہے وحشی حضورؐ کی اس طبعی ناگواری کو دیکھ کر چلا آیا۔

یہ وحشی (حبشی) شراب کا عادی تھا، اس کی موت شراب کے نشہ میں ہوئی حضرت سید حسن رسول نما کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ وحشی کا اس گندی حالت میں مرنا حضورؐ کی طبعی نفرت کے اثر سے ہوا۔ توبہ کا قبول ہونا

(جہنم کے دائمی عذاب سے بچ جانا) یہ الگ بات ہے۔

محققین علماء ہند کا فیصلہ!

ہندوستان کے مستند علماء تفسیر نے حضور علیہ السلام کے چچا کے معاملہ میں علامہ بغدادی کے فیصلہ کو تسلیم کر کے یہی لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں بحث و گفتگو نہ کی جائے۔ سکوت اختیار کیا جائے۔

بیان القرآن میں مولانا تھانوی نے تفسیر عثمانی میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے، مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں اور معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی ہے اور اس بحث سے گریز کیا ہے البتہ مفتی محمد شفیع صاحب نے ایک کتربیونت ضرور کی ہے اور اپنے شیخ مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن کی وہ عبارت نقل کرنے میں اتنی کمزوری دکھائی ہے کہ اس میں سے (موجب تاذی علویین) کا فقرہ حذف کر دیا صرف تاذی رسول کا فقرہ باقی رکھا۔

یہ حذف عبارت پاکستان میں شیعہ سنی کش مکش کا تاثر معلوم ہوتا ہے۔

حضورؐ کے والدین کے بارے میں!

حضور علیہ السلام کے والدین کے بارے میں جو روایات عربی تفسیروں میں نقل کی گئی ہیں وہ روایات علماء ہندوستان نے اپنی تفسیروں میں قطعی طور پر نقل نہیں کیں اور اس معاملہ کو آیات توبہ سے جوڑنے سے اتفاق نہیں کیا۔

ہندوستان (بشمول پاکستان و بنگلہ دیش) کے حالات کا یہ اہم تقاضا ہے جو ان علماء ہند و پاک نے پورا کیا ہے۔

اب ہند و پاک کے ارباب وعظ و تقریر اور اصحاب تحریر و تصنیف کا اخلاقی اور دینی فرض ہے کہ وہ مذکورہ نازک مسائل میں پوری احتیاط سے کام لیں۔

سعودی ترجمہ اردو کی جسارت!

سعودی عرب سے مولانا محمد جوناگڈھی کے ترجمہ (ابن کثیر کے اردو کے ترجمہ سے منقول) کے ساتھ اور مولانا صلاح الدین یوسف کے حواشی کے ساتھ جو ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں حواشی نگار نے اس آیت (توبہ) کے تحت حضور علیہ السلام کے والدین کے عدم اسلام والی روایت (مسند احمد) نقل کی ہے کیونکہ حواشی نگار کے سامنے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ مذکورہ رہا ہے۔(۵۲۲)

اس اردو ترجمہ اور تفسیر کے سوا کسی اردو تفسیر میں اس روایت کا ذکر نہیں کیا گیا۔

تعدّد ازواج کا سلسلہ!

تعدد ازواج کا سلسلہ مدنی زندگی میں غزوات وجہاد میں شہید ہونے والے مجاہدین کی سرپرستی سے شروع ہوا۔

اگرچہ حضرت خدیجہ کے بعد حضرت سودہ بھی بیوہ تھیں اوران کے شوہر سکران پہلی ہجرت کے موقعہ پر خدا کو پیارے ہوگئے تھے لیکن حضرت سودہ کی موجودگی میں ۳ھ میں حضرت حفصہ کے ساتھ نکاح ہوا اور یہاں سے کثرت ازواج کا سلسلہ شروع ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

غزوہ بدر میں حضرت خنیس کی شہادت کے بعد ان کی زوجہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق بیوہ ہوگئیں تو آپ نے حضرت حفصہ کو اپنے حرم میں داخل کرلیا۔

غزوہ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش شہید ہوگئے تو آپ نے ان کی بیوہ حضرت زینب بنت خزیمہ کو اپنے حرم میں داخل کرلیا۔

حضرت ابو سلمہ مخزومی غزوہ احد میں زخمی ہوگئے اور اس زخم سے جاں برنہ

ہو سکے اور خدا کو پیارے ہو گئے حضور ﷺ نے ان کی زوجہ ہند (ام سلمہ) کی بیو گی کو ختم کر کے انہیں اپنے حرم پاک کا رکن (زوجہ) بنالیا۔

حضرت زید ابن حارثہ (حضورؐ کے ہم آغوش بیٹے) نے آپ کی پھوپی زاد بہن حضرت زینب کو ان کے اصرار پر طلاق دیدی اور آپ نے ان کی دل داری کے لئے وحی الٰہی کی ہدایت پر ان سے نکاح کر لیا۔

عبید اللہ ابن جحش حبشہ (پہلا دارالہجرۃ) میں نصرانی مذہب اختیار کر کے مرتد ہو گیا اور پھر چند روز میں شراب وکباب کی بدمستیوں میں غرق ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کی زوجہ ام حبیبہ بیوہ ہو گئیں، یہ اسلام پر قائم رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے حبشہ کے حکمراں نجاشی کی وکالت میں ام حبیبہ کو اپنے عقد میں لیا اور ابن عبد العزیٰ کے انتقال سے حضرت میمونہ بیوہ ہو گئیں، میمونہ حضرت عباس کی سالی تھیں، حضورؐ نے ان کی سرپرستی فرمائی اور ان سے نکاح کر کے حرم نبوۃ میں داخل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

حضرت صفیہ یہود کے معزز قبیلہ بنی ہارون سے تعلق رکھتی تھیں ان کا شوہر کنانہ غزوہ خیبر میں قتل ہوا اور صفیہ ایک جنگی قیدی کے طور پر اس وقت کے رواج کے مطابق مدینہ لائی گئیں۔

حضور نے ان کی نسبی فضیلت کا لحاظ کر کے انہیں آزادی عطا فرمائی اور انہیں کسی صحابی کی سرپرستی میں نہیں دیا بلکہ انہیں اپنی سرپرستی میں لے کر انہیں اپنے مقدس اور باعزت حرم میں داخل کر لیا اور صفیہ کی خاندانی عظمت کو قائم رکھا۔

حضرت جویریہ بنت حارث بنی مصطلق کے اسیران جنگ میں شامل تھیں جویریہ ثابت ابن قیس کے حصہ میں بطور مال غنیمت آئیں، ثابت نے کچھ رقم مقرر کر کے اس رقم کی ادائیگی پر انہیں آزاد کرنے کا معاملہ طے کر لیا۔ اس

سلہ کو شرعی طور پر مکاتبت کہا جاتا ہے۔

حضورؐ کو اس بات کا علم ہوا اور وہ مقرر رقم ادا کر کے جویریہ کو آزادی کی عظمت سے نوازا اور پھر ایک آزاد خاتون کی حیثیت سے انہیں اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

تین کنیزیں!

اس دور کے رواج کے مطابق حضورؐ کے حرم میں تین کنیزیں شامل تھیں۔

(۱) "ماریہ قبطیہ" انہیں شاہ مصر مقوقس نے بطور کنیز آپ کی خدمت میں پیش کیا انہی کے بطن سے آپ کے آخری صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو چھ مہینہ زندہ رہ کر وفات پا گئے۔

کنیز اپنے مالک کی اولاد کی ماں (ام ولد) بنکر آزاد حیثیت اختیار کر لیتی ہے، ماریہ اسی آزاد حیثیت سے حرم نبوی میں داخل رہیں اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں وفات پا گئیں۔

(۲) "ریحانہ" یہود بنی قریظہ میں سے تھیں، اسیران جنگ میں شامل ہو کر مدینہ آئیں اور حضورؐ نے انہیں بطور خادمہ اپنے حرم کے ساتھ رکھا۔

(۳) "نفیسہ" حضرت زینب بنت جحش کی باندی تھیں، آپ نے اپنی باندی کو حضورؐ کی خدمت کے لئے پیش کر دیا تھا اور یہ بطور خادمہ کے حرم نبوی کے ساتھ رہتی تھیں۔

اس تفصیل کے ساتھ، حضرت خدیجہ، حضرت سودہ اور حصرت عائشہ صدیقہ کو ملا کر آپ کے آزاد حرم کی تعداد (۱۱) ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تعداد ازواج کی اجازت اور مصلحت

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَامَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

وَبَنٰتِ خَالٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَالنَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَامَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَیْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

اے نبی ﷺ! ہم نے تمہارے لئے، حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جس کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو خدا تعالی کی طرف سے عطاء کی ہوئی کنیزوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئی ہیں اور تمہاری وہ چچازاد اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لئے ہبہ کر دیا ہو، اگر نبی اس عورت کو اپنے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالص اے نبی! تمہارے لئے ہے دوسرے اہل ایمان کے لئے نہیں ہے، ہم کو معلوم ہے کہ عام اہل ایمان پر ان کی بیویوں کے بارے میں اور باندیوں کے بارے میں ہم نے کیا فرض عائد کئے ہیں۔

ان حدود سے تمہیں اس لئے مستثنیٰ کیا ہے تاکہ تمہارے اوپر کسی قسم کی تنگی نہ رہے اور اللہ تعالی غفور رحیم ہے۔

تنگی نہ رہے۔ یہ وہ مصلحت ہے جس کی بناپر اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو عام قاعدے سے مستثنیٰ فرمایا "تنگی نہ رہنے کا مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی ایک طرف تو اس کارِ عظیم کو نگاہ میں رکھے جس کی ذمہ داری اللہ تعالی نے آپ کے اوپر ڈالی تھی اور دوسری طرف ان حالات کو سمجھے جن میں یہ کارِ عظیم انجام دینے کے لئے آپ کو مامور کیا گیا تھا۔ حضور کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ ایک اَن پڑھ قوم کو جو اسلامی نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ عام تہذیب و تمدن کے نقطۂ نظر سے بھی ناشناسا تھی، اسے ہر شعبۂ زندگی میں تعلیم و تربیت دے کر ایک اعلیٰ درجہ کی مہذب و شائستہ اور پاکیزہ قوم بنائیں۔ اس غرض کے لئے

صرف مردوں کو تربیت دینا کافی نہ تھا، بلکہ عورتوں کی تربیت بھی اتنی ہی ضروری تھی۔ جس کی صرف یہی ایک صورت آپؐ کے لئے ممکن تھی کہ مختلف عمروں اور ذہنی صلاحیتوں کی متعدد خواتین سے آپؐ نکاح کریں، ان کو براہِ راست خود تعلیم و تربیت دے کر اپنی مدد کے لئے تیار کریں، اور پھر ان سے شہری اور بدوی، جوان، ادھیڑ اور بوڑھی، ہر قسم کی عورتوں کو دین سکھانے اور اخلاق و تہذیب کے نئے اصول سمجھانے کا کام لیں۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ کے سپرد یہ خدمت بھی کی گئی تھی کہ پرانے جاہلی نظام زندگی کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم کر دیں۔ اس خدمت کی انجام دہی میں جاہلی نظام کے علمبرداروں سے جنگ ناگزیر تھی۔ اور یہ کش مکش ایک ایسے ملک میں پیش آ رہی تھی جہاں قبائلی طرز زندگی اپنی مخصوص روایات کے ساتھ رائج تھا۔ ان حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ آپ کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ آپؐ مختلف خاندانوں میں نکاح کر کے بہت سی دوستیوں کو پختہ اور بہت سی عداوتوں کو ختم کر دیں۔ چنانچہ جن خواتین سے آپ نے شادیاں کیں ان کے ذاتی اوصاف کے علاوہ ان کی انتخاب میں یہ مصلحت بھی کم و بیش شامل تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح کر کے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنے تعلقات کو اور زیادہ گہرا اور مستحکم کر لیا حضرت ام سلمہؓ اس خاندان کی بیٹی تھیں جس سے ابو جہل اور خالد ابن ولیدؓ کا تعلق تھا۔ اور حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ان شادیوں نے بہت بڑی حد تک ان خاندانوں کی دشمنی کا زور توڑ دیا۔ بلکہ ام حبیبہؓ کے ساتھ حضور کا نکاح ہونے کے بعد تو ابو سفیان پھر کبھی حضورؐ کے مقابلے پر نہ آیا۔ حضرت حفصہؓ جویریہؓ اور ریحانہؓ یہودی خاندانوں سے تھیں۔ انہیں آزاد کر کے جب حضورؐ نے ان سے نکاح کئے تو آپ کے خلاف یہودیوں کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ اس زمانے کی عربی روایات کے

مطابق جس شخص سے کسی قبیلے کی بیٹی بیاہی جاتی تھی وہ صرف لڑکی کے خاندان ہی کا نہیں بلکہ پورے قبیلے کا داماد سمجھا جاتا تھا اور داماد سے لڑنا بڑے عار کی بات تھی۔ معاشرے کی عملی اصلاح اور اس کی جاہلانہ رسوم کو توڑنا بھی آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ چنانچہ ایک نکاح آپ کو اس مقصد کے لئے بھی کرنا پڑا جیسا کہ اسی سورۂ احزاب میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ یہ مصلحتیں اس بات کی مقتضی تھیں کہ نبی ﷺ کے لئے نکاح کے معاملے میں کوئی تنگی باقی نہ رکھی جائے تاکہ جو کارِ عظیم آپ کے سپرد کیا گیا تھا اس کی ضروریات کے لحاظ سے آپ جتنے نکاح کرنا چاہیں کرلیں۔ اس بیان سے ان لوگوں کے خیال کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تعدد ازواج صرف چند شخصی مصلحتوں کی خاطر ہی جائز ہے اور ان کے سوا کوئی غرض ایسی نہیں ہو سکتی ہے جس کیلئے یہ (کثرت ازواج) جائز ہو۔

حضرت عائشہ کے بعض تفسیری اور علمی سوالات!

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم قرآن کی بڑی دولت عطاء کی گئی تھی اور رسول پاک ﷺ کی علمی اور روحانی تربیت نے وحی الٰہی کی باریکیوں کو سمجھنے کی صلاحیت کو جلاء بخشی تھی۔

قرآن فہمی کی صلاحیت کے سبب ہی خدا تعالیٰ اکثر اپنا کلام حضرت عائشہ کے دولت خانہ میں قیام کے دوران حضور علیہ السلام پر نازل کرتا تھا اور دوسری ازواج پر فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ اس خصوصیت کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ نے قرآن کریم کی بعض آیتوں کی تفسیر کے بارے میں حضور ﷺ کے سامنے بڑے بڑے باریک اشکالات رکھے اور حضورؐ نے ان

اشکالات کو دور کیا۔

اس طرح قرآنی معارف کا ایک گراں قدر حصہ امت کے سامنے آگیا۔

حضرت عائشہ کا تحقیقی مزاج یہ تھا کہ آپ ہر باریک مسئلہ کو سمجھنے کے لئے حضورؐ سے سوالات کرتی تھیں اور جب تک انہیں تسلی نہ ہوتی تو وہ صبر نہ کرتیں۔

اس کی متعدد مثالیں احادیث میں منقول ہیں۔

آسان حساب، مشکل جواب!

(۱) ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا

مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ قیامت کے دن جس کے اعمال کا حساب ہوا وہ عذاب کا مستحق ہو گیا۔

حضرت عائشہ نے اس پر حضورؐ سے سوال کیا۔

یارسول اللہ! خدا تعالی تو قرآن میں یہ فرماتا ہے۔

واما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا (انشقاق ۸)

جس شخص کے سیدھے ہاتھ میں اس کا اعمال نامہ دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔

آپ نے جواب دیا،

اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ اصحاب الیمین کے اعمال نامے صرف پیش ہوں گے، یہ اعمال کی پیشی ہو گی جس میں اللہ تعالی کی طرف سے سرسری حساب لیا جائے گا اور اس شخص کی نجات ہو جائے گی۔

البتہ اگر حساب کتاب میں چھان بین اور جرح و قدح شروع ہو جائے گی تو یہ اس شخص کی بربادی ہو گی۔ (بخاری صفحہ ۲۱ کتاب العلم)

قیامت کے دن آسمان وزمین!

ایک دفعہ انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ خدا فرماتا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الاَرْضُ غَيرَ الاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ

(ابراہیم ۴۸)

جس دن زمین و آسمان دوسری زمین و آسمان سے بدل دیئے جائیں گے اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت بھی پڑھی۔

وَالاَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهِ

(زمر ۶۷)

تمام زمین اس کی مٹھی میں ہو گی، اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔

"جب زمین اور آسمان کچھ نہ ہو گا تو لوگ کہاں ہوں گے" آپ نے فرمایا "صراط پر" یعنی پل صراط پر ہوں گے۔

موت سے کراہت اور ملاقات الٰہی!

ایک موقعہ پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

من احب لقاء الله احب الله لقاء ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه فقالت عائشةؓ!

انا لنكره الموت قال ليس ذالك ولكن المومن اذا حضره الموت بشر برضوان الله وكرامته فليس شئ احب الله ما امامه فاحب لقاء الله واحب لقاءه

وان الكافر اذا حضر الموت بشر بعذاب الله وعقوبته فليس شئ اكره اليه مما امامه فكره لقاء الله وكره لقاءه (مشکوۃ ۱۳۹)

جو شخص اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اور جو شخص اسے پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی بھی اسے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ نے سوال کیا، حضورؐ! ہم لوگ طبعی طور پر موت کو ناپسند کرتے ہیں اور لقاء الٰہی سے پہلے تو موت کی منزل ہے۔(والموت قبل لقاء ہ)

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب ہی خدا تعالٰی کی ناپسندیدگی کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

جواب دیا حضور ﷺ نے کہ اصل بات یہ ہے کہ موت کے وقت اہل ایمان کو رضاء الٰہی کی خوش خبری دی جاتی ہے اور اس سے زیادہ کوئی سعادت نہیں ہوسکتی اس لئے مومن اسے پسند کرتا ہے اور پھر اللہ تعالٰی بھی اسے پسند کرتا ہے۔

کافر کو موت کے وقت عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے۔

کافر اس وجہ سے ملاقات خداوندی کو پسند نہیں کرتا تو اس کے جواب میں خدا تعالٰی بھی اسے پسند نہیں کرتا۔

حضورؐ نے جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو یہ ہے کہ موت دنیا اور اپنے اہل وعیال سے جدائی کا حادثہ ہے اور موت کا یہ تصور ہر شخص کے لئے ناپسند ہے، یہ فطری بات ہے۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ موت لقاء الٰہی کی پہلی منزل ہے اور اپنے مولائے رحیم سے ملاقات ہر مومن کے لئے پسندیدہ ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ مولائے کریم اس شخص (کافر) سے ملاقات کرنے کو کیسے پسند کرسکتا ہے جو خود اس سعادت کو پسند نہیں کرتا، بلکہ اپنی سیاہ کارانہ زندگی کی وجہ سے لقاء الٰہی سے گھبراتا ہے۔

حضرت صدیقہ کے اس سوال نے بڑا پیچیدہ مسئلہ حل کرادیا۔

مساکینِ امت میں شامل ہونے کی دعاء!

ایک روز حضور ﷺ نے حسب عادت یہ دعاء مانگی،

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ

المساکین۔

اے اللہ! مجھے زندہ رکھیو مسکین بناکر، دنیا سے اٹھائیو مسکینی کی حالت میں اور آخرت میں بھی مجھے مساکین کے زمرہ میں شامل کیجئے۔

حضرت صدیقہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ یہ دعاء آپ کیوں کرتے ہیں، آپ نے فرمایا۔

اے عائشہ! خداتعالیٰ کو اپنے مسکین بندے (جو صبر وقناعت کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں) بہت پسند ہیں اور خداتعالیٰ انہیں دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل کرے گا۔ (ترمذی کتاب الزہد)

اس سوال کا ذہنی پس منظر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ خانہ نبوت میں مسکینی و غربت تو چھائی ہوئی ہے، اب آپ اور کیا چاہتے ہیں۔؟

بیوی تھیں، یہ چاہتی ہوں گی کہ ہمارے گھر میں خوش حالی آئے، غربت دور ہو۔

اس سوال کا یہ فطری جذبہ تھا۔

چنانچہ نان نفقہ میں اضافہ کے سوال پر حضورؐ کی ناراضگی کا واقعہ مشہور ہے۔

اس واقعہ کو تخییر (اختیار دینے) کا واقعہ کہا جاتا ہے اس واقعہ میں حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ کو قرآن کریم کی آیت ذیل سنائی۔

یا ایها النبی قل لازواجك ان كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحاً جميلا (احزاب ۲۸)

اے نبی، تم اپنے بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ سامان دے کر رخصت کردوں۔

پھر فرمایا، تم اپنے والدین سے مشورہ کرکے اس کا جواب دینا حضرت عائشہ

نے فرمایا۔

حضور! اس میں اپنے والدین کے ساتھ مشورہ کی کیا بات ہے میں نے دنیا کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کیا۔

لیکن حضور! میرا یہ جواب کسی دوسری رفیقہ حیات کو نہ سنایئے گا (تاکہ وہ اپنی اپنی خواہش کے مطابق جواب دیں، میری ریس نہ کریں) آپ نے فرمایا۔

انما بعثت معلماً لا معنتا ولا متعنتا خدا تعالیٰ نے مجھے معلم اور داعی بنا کر بھیجا ہے، لوگوں کو پریشانیوں میں ڈالنے والا اور خود کو پریشان کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی بیوی مجھ سے پوچھے گی کہ عائشہ نے کیا جواب دیا تو تمہارے جواب کو پوشیدہ نہیں رکھوں گا بلکہ انہیں بتادوں گا کہ عائشہ نے یہ جواب دیا ہے تاکہ وہ تم سے سبق حاصل کریں۔

حضرت عائشہ اپنے اس فیصلے میں ممتاز رہنے کا جذبہ رکھتی تھیں لیکن حضورؐ نے ان کے اس جذبہ کو پسند نہیں کیا۔

صدیقہ کا علمی مرتبہ اعلیٰ!

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کو جب کسی مسئلہ میں کوئی الجھن پیش آتی تو وہ حضرات حضرت صدیقہ سے رجوع کرتے اور آپ ان کی الجھن کو دور کر دیتیں۔

فسالنا عائشة الا وجدنا عندها منه علما . (مشکوۃ ۵۷۴)

یہ حضرت عائشہ کی حضرات صحابہ میں علمی برتری کا اعتراف ہے۔

قیامت کے دن کس طرح اٹھیں گے؟

ایک روز حضورؐ نے ممبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

يحشر الناس يوم القيامة حفاة غراة غرلا ثم قرأ كما بدأنا اول خلق نعيده وعداً علينا انا كنا فاعلين (انبياء ۱۰۴)

حشر کے روز لوگ ننگے جسم اور ننگے پیر اور بے ختنہ اٹھائے جائیں گے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

ہم نے جس طرح پہلی بار پیدا کیا اسی طرح ہم لوٹادیں گے، یہ ہمارا حتمی وعدہ ہے اور ہم ایسا کرنے والے ہیں۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے۔

اولم يروا كيف يبدأالله الخلق ثم يعيده ان ذالك على الله يسير (عنکبوت ۱۹)

یعنی جس اللہ تعالی نے انسان کو اول بار پیدا کیا اس کے لئے دوسری بار پیدا کرنا آسان ہے اس میں اللہ کی قدرت کاملہ کی طرف اشارہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی اور اعادہ کی صورت بیان فرمائی۔

حضرت عائشہ نے اس وعظ کے بارے میں سوال کیا، جب آپ دولت خانہ پر تشریف لائے، آپ حضورؐ کا وعظ اپنے حجرہ مبارکہ سے سنتی تھیں۔ سوال یہ تھا۔

يا رسول الله الرجال والنساء جميعا ينظر بعضهم الى بعض،

فقال يا عائشة! الامر اشد من ان ينظر بعضهم الى بعض.

حضورؐ! حشر کے دن مرد اور عورتیں ایک ساتھ جمع ہوں گی اور ایک دوسرے کو دیکھتا ہوگا؟ یعنی ایک دوسرے کا ستر دیکھیں گے؟

آپ نے فرمایا!

عائشہ! حشر کے دن کا معاملہ بہت سخت ہوگا اور اس ہولناکی میں کسی کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش نہیں ہوگا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے۔

واول من یکسی یوم القیامۃ ابراھیم (مشکوۃ ۴۸۲)

اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت کا ایک خاص خلعت بھی پہنایا جائے گا اور انہیں دوسرے انبیاء پر یہ ایک جزوی فضیلت حاصل ہو گی۔

اس فضیلت کی چند وجوہات محدثین نے لکھی ہیں۔

(۱) حضرت ابراہیم نے پہلی بار ننگے فقیروں کو کپڑے پہنائے تھے اور یہ رسم جاری کی تھی۔اول من کسی الفقراء

(۲) ابراہیم وہ پہلے شخص ہیں جنہیں خدا کی راہ میں ننگا کیا گیا جب انہیں نمرود نے آگ میں ڈلوایا۔

(۳) حضرت ابراہیم ابوالانبیاء ہیں باپ (ابوۃ) ہونے کی فضیلت میں انہیں یہ اعزاز بخشا گیا۔

قرآنی جواب تفصیل کے ساتھ!

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمال کے ساتھ جو جواب دیا، قرآن کریم میں اس کی تفصیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حشر کے میدان میں اہل ایمان کی حالت یہ ہو گی کہ وہ مولائے حقیقی کے دیدار کے انتظار واشتیاق میں نور وحدت کی طرف اپنی نظریں جمائے ہوئے کھڑے ہوں گے، فرمایا

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ (قیامہ ۲۳)

بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جو شاداں و فرحاں اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اہل ایمان کے مقابلہ میں اہل کفر کی چند حالتیں ہوں گی۔

(۱) ان کی گردنوں میں کفر و معاصی کے طوق ڈالدیئے جائیں گے۔

انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا فھی الی الاذقان فھم مقمحون۔ (یٰس ۸)

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور اس وجہ سے ان کے سر پیچھے کو مڑے ہوئے ہیں۔

واقعہ کے اعتبار سے یہ بات کل میدان محشر میں ہو گی لیکن قرآن اسے آج کی بات قرار دے رہا ہے۔

اس اسلوب بیان سے کل ہونے والے واقعہ کا یقینی ہونا ثابت کیا جا رہا ہے ظاہر ہے کہ جب اہل محشر کا یہ حال ہو گا کہ ایک طبقہ دیدار الٰہی کی محویت میں غرق ہو گا اور ایک طبقہ طوق و سلاسل کی وجہ سے اپنے سر اوپر اٹھائے ہوئے ہو گا تو پھر ایک دوسرے کی عریانی کو دیکھنے کا ہوش کسے ہو گا۔؟

(۲) ایک طبقہ اندھا اٹھایا جائے گا!

من اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ (طٰہٰ ۱۲۴)

جو شخص میرے ذکر سے اور میری کتاب سے اعراض کرے گا، ان کی معیشت و گذاران تنگ اور بے برکت کر دی جائے گی اور قیامت کے دن انہیں اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔

(۳) ایک طبقہ بدحواسی کی حالت میں!

سود خور اور حرام خور لوگوں کی سزا یہ ہو گی۔

الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربٰی واحل اللہ البیع وحرم الربوا (بقرہ ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں اور اسے بیع و شراء کی طرح حلال سمجھتے ہیں وہ اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح پاگل اور خبطی لوگ ہوتے ہیں اور

(عوام کے تصور کے مطابق) جنہیں سرکش جنات لپٹ کر انہیں پاگل بنا دیتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ جہنم کے طوق والے، آنکھوں سے اندھے اور بدحواسی اور پاگل پنے میں مبتلا لوگ دوسروں کو دیکھنے کی قدرت کہاں سے پائیں گے؟

لباس اعمالی!

دنیا کا لباس خاکی جسم کے لئے خاکی لباس ہے اور عالم برزخ میں (موت کے بعد حشر تک) اعمالی (مثالی) لباس ہو گا۔
حضرت شاہ ولی اللہ کی تعبیر کے مطابق عالم برزخ کو عالم مثال کہنا چاہئے یعنی دنیا سے جیسے اعمال کئے وہ اعمال (برے یا اچھے) لباس کی شکل اختیار کریں گے۔
اچھے اعمال ہوں گے، اچھا لباس ہو گا، برے اعمال ہوں گے تو برا لباس ہو گا۔

حضرات انبیاء کا شرف!

علامہ علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء اولیاء اپنی قبروں سے اپنے اپنے کفن کے کپڑوں میں ملبوس اٹھیں گے۔
لیکن اس جواب سے بہتر جواب وہ ہے جو بعض اہل عرفان سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام معصوم ہونے کی وجہ سے اصحاب جنت میں سے ہیں، عام اہل ایمان حساب کتاب کے بعد اصحاب جنت میں داخل ہوں گے، انبیاء حساب کتاب سے مستثنیٰ ہوں گے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ اسلئے حضرات انبیاء اپنی اپنی برزخی قیام گاہوں کے اندر بھی جنتی ہیں اور جب اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو وہ جنت کے لباس ہی میں اٹھیں گے۔ یعنی وہ عریاں اور بے لباس ہوں گے دنیوی لباس سے، حقیقت میں وہ جنت کے خلعت فاخرہ میں ملبوس ہوں گے۔
ان اہل معرفت کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے اجسام جنتی ہیں

اور ان کے جسموں میں وہی جنتی لباس ہوں گے جو لباس جنت کے اندر حضرت آدم اور حواء کے جسموں پر تھا، قرآن کریم نے کہا۔

فوسوس لهما الشيطان ليبدى لهما ماوورى عنهما من سوآتهما (اعراف ۳۰)

شیطان نے وسوسہ ڈال کر وہ پھل ممنوعہ کھلادیا تاکہ وہ کھولدے ان شرم گاہوں کو جنہیں ان کی نظروں سے جنت کے لباس کے ذریعہ پوشیدہ رکھا گیا تھا۔
شجر ممنوعہ کھاتے ہی جنت کے اثرات زائل ہوگئے اور دونوں کے مخصوص اعضاء کھل گئے۔

اہل تقوی پر لباس تقوی!

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ لباس جنت اصل میں لباس تقویٰ کی مثالی شکل کا نام ہے جس طرح جنت اور اس کی تمام نعمتیں نیک اعمال اور عبادات کی صورتوں کا نام ہے ہر عبادت آخرت میں جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بن جائے گی۔

شاہ ولی اللہؒ نے اس مسئلہ پر عالم مثال کے باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

قرآن کریم نے کہا ہے۔

يا بنى آدم قد انزلنا عليكم لباسا يوارى سوآتكم وريشا، ولباس التقوى، ذالك خير (اعراف ۲۶)

اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا (یعنی لباس تیار کرنے کا سامان) جو تمہاری شرم گاہیں چھپاتا ہے اور وہ لباس جسمانی زینت کا سامان بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس بہتر چیز ہے۔

قرآن کریم نے نیک اعمال اور صالح کردار کو لباس اور کپڑوں سے تشبیہ

دی ہے یعنی جس طرح کپڑوں کا لباس بدن کو ڈھانکتا ہے اسی طرح کردار نیک کا لباس انسان کی فطری کمزوریوں اور سفلی خواہشات پر پردہ بن جاتا ہے اور ان کمزوریوں کے اثرات کو زندگی پر غالب آنے سے روکتا ہے۔

یہی لباس تقویٰ (اعمال خیر) آخرت کی زندگی میں ایک مثالی اور مخصوص شکل اختیار کرے گا اور وہی جنت کا لباس ہوگا۔

لباس تقویٰ کے لحاظ سے بعض علماء نے حضرات اولیاء اللہ اور مقربین الٰہی کو بھی حضرات انبیاء کے ساتھ اس عظمت (لباس جنت) میں شامل کیا ہے۔

البتہ انبیاء کا لباس جنت "لباس عصمت" ہوگا اور مقربین الٰہی کا لباس، لباس تقویٰ ہوگا۔

ان دونوں لباسوں کے درمیان بیش قیمت اور عمدہ ہونے کے لحاظ سے اتنا ہی فرق ہوگا جتنا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی عظمت میں فرق ہے۔

جادو کی روایت اور حضرت صدیقہ!

رسول اکرم ﷺ پر لبید ابن اعصم کے جادو کرنے کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ سے منقول ہے۔

اس روایت کو امام بخاری نے کتاب الطب اور باب السحر میں دو جگہ بیان کیا ہے۔

اس روایت کے ساتھ پہلی زیادتی تو یہ ہوئی کہ بخاری کے بعض راویوں نے حضرت صدیقہ کے خاص الفاظ میں عموم پیدا کر دیا اور پھر اس مختصر روایت کو اسرائیلی راویوں نے اس قدر طول دیا کہ یہ معمولی واقعہ ایک افسانہ بن گیا۔

یہ تفصیلی روایت ثعلبی (وفات ۴۲۷ھ) نے اپنی تفسیر میں بیان کی اور علامہ ابن کثیر نے ایک ضعیف اور منکر روایت کے طور پر برائے آگاہی اسے نقل کیا اور اس کے ناقابل قبول ہونے کی وضاحت کی۔

تعجب ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے سیرت عائشہ میں حضرت صدیقہ کی اس روایت پر روشنی نہیں ڈالی جبکہ مرحوم نے حضرت صدیقہ سے منقول روایات پر بہت جامع بحث کی ہے۔

امام ثعلبی کی روایت میں بعض باتیں ایسی ہیں جو حضور علیہ السلام کی شان رسالت اور مقام عصمت کے خلاف ہیں اور ذات گرامی کے تعلق سے توہین آمیز ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی جائے۔

بعض اردو مفسرین (مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالاعلی مودودی) نے ثعلبی کی روایت کو تسلیم کر کے اس منکر روایت کو قابل قبول بنانے کی جو کوشش کی ہے اور آج کے عملیات کے تاجر اس کے سہارے اپنا کاروبار چلانے کی جس افسوسناک گمراہی میں مبتلا ہیں اس کا تقاضا بھی ہے کہ اس روایت پر بحث کی جائے۔

صحیح بخاری کی روایات!

حضرت عائشہ کی جو روایت امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کی ہے، ہم اسی روایت کو محدث کشمیری کی تحقیق کے مطابق سند کے لحاظ سے راجح قرار دے کر اس پر غور کرتے ہیں۔

امام نے یہ روایت پہلے کتاب الطب میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

بروایت هشام عن سفیان ابن عیینه قالت عائشه ؓ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم سحر حتی کان یری انه یاتی النساء ولا یاتیهن قال سفیان هذا اشد مایکون من السحر اذا کان کذا.

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ خیال کرتے تھے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے پاس ہو آئے (فعل زوجیت کر لیا) حالانکہ آپ ہو کر نہیں آتے تھے۔

سفیان کہتے ہیں کہ یہود میں جادو کی جو بدترین قسم تھی وہ یہی تھی اگر وہ جادو

اپنا اثر کر جاتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد رسول پاکؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔

عائشہ! میں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھ پر یہ اثر کیا ہے؟ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دو شخص (فرشتے) خواب میں آئے۔

ان میں سے ایک میرے سرہانے کھڑا ہوا اور دوسرا میرے پیروں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا۔

ما بال الرجل؟ قال مطبوب قال ومن طبه قال لبيد ابن اعصم رجل من بني زريق حليف اليهود كان منافقاً

اس شخص (محمدؐ) کا کیا حال ہے، وہ بولا، یہ شخص سحر زدہ ہے وہ بولا اس پر کس نے جادو کیا، اس نے جواب دیا کہ لبید ابن اعصم نے جو مدینہ کے قبیلہ بنی زریق کا فرد ہے اور یہ قبیلہ یہود کا دوست ہے اور یہ شخص منافق ہے۔

اس کے بعد ان فرشتوں نے سحر کی ساری تفصیل بیان کی اور حضورؐ اس کنویں (بیر ذروان) پر تشریف لے گئے اور وہ چیزیں کنویں میں سے نکلوائیں اور آپ سے وہ اثر دور ہو گیا۔

حضرت عائشہ نے فرمایا!

افلا تنشرت؟ فقال اما الله فقد شفاني واكره ان اثير على احد من الناس شرا.

حضورؐ! کیا میں یہ واقعہ لوگوں کو سنادوں، آپ نے فرمایا نہیں اللہ نے مجھے شفا عطاء کر دی اور میں پسند نہیں کرتا کہ کسی شخص (لبید) کو لوگوں کے ہاتھوں سے تکلیف پہنچے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے جسے علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری نے تمام روایات کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے اور ہر قسم کے ابہام سے محفوظ قرار دیا ہے

جبکہ دوسری روایات میں ابہام اور اجمال کو تسلیم کیا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ سحر کی مدت بیان نہیں کی گئی اور حدیث کے الفاظ یہ بتارہے ہیں کہ حضورؐ نے یہ اثر محسوس کرتے ہی خداتعالی کی طرف رجوع کیا اور اس کی وجہ معلوم کی۔

ان اللہ قداَفتَانی فیمااِستفتُیتہٗ فیہ؟

اللہ تعالی سے میں نے معلوم کیا کہ یہ کیابات ہے تو اللہ تعالی نے مجھے آگاہ کردیا یعنی اس صورت میں جو اوپر بیان کی گئی اور قرآنی نصوص (آیت نحل ۱۰۰ اور آیت اعراف ۲۰۰) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام پر بالخصوص شیطانی اثرات (جادو وسوسہ اندازی) کا غلبہ نہیں ہوتا۔

عارضی طور پر اثر ہوتا ہے مگر اہل ایمان و توکل کے یہ امام اس اثر سے فوراً خداتعالی کی پناہ میں آجاتے ہیں۔

سحر کا اثر صرف فعل زوجیت میں شک وشبہ ڈالنے اور تردد میں مبتلا کرنے کی حد تک تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ کی ازواجی زندگی کا سکون برباد ہو جائے اور آپ کے اور ازواج مطرات کے درمیان بدگمانی راہ پا جائے۔

قرآن کریم نے ہاروت وماروت کے قصہ میں اسی فتنہ گری کی طرف اشارہ کیا ہے فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ (بقرہ ۱۰۲)

وہ ہاروت وماروت ان لوگوں کو وہ سحر سکھاتے تھے جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا ہوتا تھا۔

حضورؐ کی ازواجی زندگی کا دائرہ وسیع تھا آپ اپنی (۹) بیویوں کے درمیان نہایت باوقار اور پرسکون زندگی گذارتے تھے اور یہ بات حضورؐ کے دشمنوں کو بہت کھٹکتی تھی۔

آپ کے گھریلو سکون کو برباد کرنے کے لئے دشمنوں (منافقین مدینہ) نے

ایک عورت چھوڑ رکھی تھی جو آپ کی ازواج مطہرات کے درمیان لگائی بجھائی کرتی تھی اور ادھر سے ادھر لگاتی پھرتی تھی۔

مرجوح اور منکر روایات!

امام بخاری نے یہ روایت اس سند کے علاوہ دوسری اسناد سے بھی نقل کی ہے اور مسند احمد اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی وہ روایات نقل کی گئی ہیں۔

ان کے الفاظ یہ ہیں۔ **سحر حتی یخیل الیه انه فعل شی ولم یفعل**

حضورؐ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ آپ کے دل میں یہ وسوسہ اور یہ وہم وخیال ڈالا گیا کہ آپنے ایک کام کرلیا ہے اور وہ کام آپ نے نہ کیا ہوتا۔

اس مرجوح روایت میں فعل خاص (فعل زوجیت) کو فعل عام (شیٔ) میں بدل دیا گیا یہ کسی راوی کا سہو اور نسیان ہے۔

لیکن یہ سہو ونسیان اصل روایت کے مفہوم میں تحریف بن گیا اور ان راویوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضرت عائشہ کے اصلی الفاظ میں تعمیم کرنے سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضورؐ کو ہر فعل کے کرنے یا نہ کرنے میں شک وشبہ ہونے لگا۔

اس عموم میں نماز کا فعل بھی آگیا کھانے پینے کا فعل بھی آگیا اور یہ نسیان و زہول شان رسالت کے خلاف ہے۔

محدث کشمیری علیہ الرحمہ کی تحقیق!

مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا تحقیق حدیث میں جو بلند مرتبہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

مولانا نے عموم واطلاق والی روایات کو درلیۓ (مفہوم کے لحاظ سے) مرجوح اور مبہم قرار دیا ہے اور یہ ان کی محد ثانہ حیثیت کا تقاضا ہے لیکن شاہ

صاحب نے مشہور حنفی فقیہ امام ابو بکر جصاص رازی (وفات ۳۷۰ھ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام نے اپنی مشہور کتاب الاحکام القرآن (جلد ا ص ۵۵) میں مطلقا اس روایت کا انکار کیا ہے۔

حتی ان ابابکر الجصاص انکرها راساً

لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں

واتضح مما قلنا ان الحدیث صحیح وانه یتعلق بامور النساء ولا یمس غیر هذا الباب (فیض الباری جلد ۴ ص ۳۷۲)

ہم نے جو وضاحت کی ہے اس کے مطابق یہ روایت صحیح ہے لیکن اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں جو پہلی راجح روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

امام جصاص کی جلالت قدر!

امام جصاص کی جلالت شان کے بارے میں ان کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔

ابو بکر احمد ابن علی رازی جصاص (چونہ ساز) بغداد میں ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے یہ اپنے عصر و عہد میں حنفیہ کے سر خیل تھے اور آپ کی ذات پر احناف کی امامت وسیادت ختم ہو گئی تھی آپ نے ابوالحسن کرخی اور دیگر فقہاء سے استفادہ کیا زہد و تقوی میں امام کرخی کی روش پر گامزن رہے آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سامنے عہدہ قضاء پیش کیا گیا مگر آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔(تاریخ مفسرین ۵۹۷)

مفسر ثعلبی کی روایت پر الگ بحث کی گئی ہے۔

داستان گو واعظوں نے میل کا بیل بنا دیا!

حاصل بحث یہ ہے کہ پہلے کچھ راویوں کو بھول ہوئی اور پھر اس بھول اور نسیان سے فائدہ اٹھا کر جھوٹی روایات گھڑنے والے (نو مسلم یہودیوں) نے اس

معمولی واقعہ کو افسوسناک بنادیا اور پھر ایک وعظ گو اور حاطب اللیل مفسر (ثعلبی) نے اسے اپنی تفسیر میں نقل کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ کی پاکیزگی، خدا کی حفاظت اور معصومیت کا عقیدہ رکھنے والا کوئی مسلمان بھی اس موضوع روایت میں بیان کردہ جادو کے اثرات اور حضور ﷺ پر طاری ہونے والی بیماریوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس موضوع روایت کے وہ قابلِ اعتراض الفاظ یہ ہیں۔

فمرض رسول الله صلى الله عليه وسلم وانتشر شعر راسه وجعل يذوب ولايدرى ماعراه ولبث ستة اشهر

ترجمہ: "حضور ﷺ بیمار پڑ گئے اور آپ کے سر کے بال جھڑ گئے اور آپ کا جسم گھل گیا اور آپ اس حالت کو سمجھ نہیں پائے۔ اور آپ پر چھ مہینہ تک یہ حالت طاری رہی"۔

عربی مفسرین میں صرف محدث ابن کثیر نے علماء تفسیر کی آگاہی کیلئے اس موضوع روایت کو ایک موضوع روایت کے طور پر ہی نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد اس کے موضوع بناوٹی اور من گھڑت ہونے کی تصریح کر دی ہے۔
(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ مصری ص ۵۷۴)

محققین علماء کی تحقیقی آراء کے بعد علامہ مازری کے اس قول پر تعجب کرنے کے سواء کوئی چارہ نہیں کہ انہوں نے ثعلبی کی روایت کردہ کہانی کو رد کرنے والوں اور رسول پاک ﷺ کی شان رسالت کا دفاع کرنے والوں کو "جماعت مبتدعہ" قرار دیا ہے۔

اسی طرح علامہ سہیلی (صاحب روض الانف) نے جادو کی مدت کے بارے میں چھ مہینہ کے قول کو "مستند قول" لکھا ہے حالانکہ مدت کی یہ تعیین ایک بے بنیاد اور بقول امام جصاص ملاحدہ کی تصنیف کا حصہ ہے۔

صرف وہم و وسوسہ!

حاصل یہ ہے کہ لبید کے جادو کے اثر سے آپ کے دل میں ایک قسم کا وہم وسوسہ پیدا ہوا اور پھر آپ نے اسے محسوس کر کے دعاء فرمائی اور خدا تعالیٰ نے اس وہم سے آپ کو نجات عطا فرمائی۔

زید ابن ارقم کی مستند روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں۔

فاشتکی لذالك ایاما-- کا نمانشط من عقال چند دن آپ کو اس وسوسہ کی شکایت رہی- پھر آپ اس اثر سے اس طرح باہر آگئے گویا آپ رسی کی بندش سے آزاد ہوگئے یعنی آپ پر جو انقباض طاری تھا وہ نشاط و سرور میں بدل گیا۔ اس سے زیادہ لبید کے جادو کا عقیدہ رکھنا شان رسالت میں سوء ادب ہے۔ اور وقار نبوت [1] کو ٹھیس پہنچانے والا ہر تصور و عقیدہ ایمان و اسلام کی نفی کرتا ہے۔

محققین اور احتیاط پسند علماء کی تردید!

علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں لکھا ہے کہ امام ماتریدی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اصم نا معلوم جادو کی حدیث کو متروک اور ناقل قبول قرار دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ جادو کی روایت کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ کفار قریش کا یہ الزام درست تھا کہ حضور ﷺ ایک جادو زدہ اور جادو مارے شخص ہیں۔ (جلد ۳۰ سورۃ الناس)

---

[1] سورۃ احزاب آیت (۶۹) وکان عند اللہ وجیہا اور موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک بڑا باعزت و باوقار ہے۔ اس کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اس واقعہ سے (جس سے ایک پتھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لیکر بھاگ رہا تھا) ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی اور روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے تنفر اور استخفاف (توہین۔ک) جذبات پیدا ہو کر قبول حق (اور اشاعت دین) میں رکاوٹ نہ ہوں (حمائل ۵۵۴)

مشہور محدث ہند علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے بخاری شریف کی شرح فیض الباری میں وضاحت کی ہے کہ جادو کے واقعہ کی اس من گھڑت اور خلافِ ادب تشریح کو دیکھ کر مشہور جلیل القدر امام فقہ علامہ ابو بکر جصاص رازی ۳۷۰ھ نے کتاب الاحکام (جلد ا ص ۵۵) میں جادو کے واقعہ کی روایت کو گمراہوں کی تصنیف قرار دیا ہے۔

عربی مفسرین میں امام فخر الدین رازیؒ نے اور اردو مفسرین میں امام المفسرین حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدّث دہلویؒ نے اپنی تفسیروں میں جادو کے واقعہ کو نقل کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا،

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے نہایت احتیاط کے ساتھ چند جملوں میں یہ لکھ کر بات ختم کر دی کہ لبید ابن اعصم کے جادو سے آپ کے اندر مرض کی حالت پیدا ہو گئی تھی (بیان القرآن پارہ عم) یہ حالت کتنی دیر رہی؟ مولانا اس میں خاموش ہیں۔

مولانا عبد الحق حقانی نے لکھا کہ کسی قرآنی آیت میں حضور ﷺ پر جادو کرنے کا ذکر نہیں ہے، رہا حدیث سحر کا معاملہ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

حقانی صاحب نے صرف دو دن سحر کا اثر لکھا ہے۔ (جلد ہشتم ۲۹۲)

مفتی محمد عبدہ مصری نے اپنی تفسیر المنار میں سورہ معوذتین میں لکھا ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ جادو کے سلسلہ میں منقول حدیث صحیح ہے تو بھی وہ دلیل کے طور پر پیش کرنے کے قابل نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عقائد کے معاملہ میں اخبارِ احاد سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ لکھتے ہیں۔

"جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم عالم گیر گمراہیوں میں سے ہے اور نوعِ انسانی کے لئے بڑی مصیبتوں کا باعث ہو چکا ہے۔ قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس

کے بے اصل ہونے کا اعلان کیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا متنبہ نہ ہوئی۔ اور ازمنۂ وسطیٰ کے مسیحی جہل و قساوت نے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلا دیا۔
(ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۲۶)

مولانا مودودیؒ اور مولانا احمد رضا خانصاحبؒ کے شاگرد ہم خیال کیوں؟

عربی، فارسی اور اردو کی جن تفسیروں میں چھان بین اور غور و فکر کے بغیر جادو کی موضوع اور جعلی روایت کو نقل کیا گیا ہے ان میں زیادہ تعجب مولانا مودودیؒ اور مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ کے شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادیؒ حاشیہ نگار کنزالایمان کی تحریروں پر ہوتا ہے۔

مودودی صاحبؒ کو ایک روشن خیال محقق عالم سمجھا جاتا ہے اور فاضل بریلویؒ اور ان کے محشی محبتِ رسول کے دعویدار ہیں۔

مودودی صاحب نے جادو کی موضوع روایت کو جس بے باکی سے نقل کیا اور اس روایت کے نہایت توہین آمیز فقروں کی تشریح کر کے ان کی وکالت کی ہے۔ اس پر حیرت اور افسوس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح مولانا مراد آبادی کے قلم نے رسول پاک ﷺ کی شانِ اقدس میں سوءِ ادب کے وہ فقرے نقل کر کے اپنے دعویٰ محبت کی تردید کر دی ہے۔

ثعلبی موضوع روایات سے داستان گوئی کرتے تھے

امام ابن تیمیہ نے اصول تفسیر میں لکھا ہے۔

''ثعلبی اگرچہ خود دین دار آدمی تھے مگر حاطب لیل (رات کے وقت گیلی سوکھی لکڑیاں چننے والے) تھے، کتب تفسیر میں جو صحیح و ضعیف اور موضوع روایات ملتیں۔ اپنی تفسیر (تفسیر ثعلبی) میں نقل کر دیتے (ص ۱۹)

تفسیر و مفسرین کتاب کے مصنف لکھتے ہیں!

ثعلبی داستان گوئی کے بہت دلدادہ تھے، انہوں نے حضرات انبیاء کے واقعات پر بھی (داستان گوئی کے طور پر) ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اسی طرح شیعہ فرقہ میں جو موضوع روایات عام تھیں۔ ثعلبی ان سے بھی دھوکہ کھا گئے اور چھان بین کے بغیر انہیں نقل کر دیا، ثعلبی نقدِ حدیث کے فن سے یکسر بیگانہ تھے" (۲۲۳)

ثعلبی نے جادو کی تفصیلی روایت سند کے بغیر نقل کی ہے اور محدثین کرام نے لکھا ہے کہ "کسی روایت کا سند کے بغیر نقل کرنا اس کے ضعیف ہونے کی سب سے بڑی دلیل قرار دی گئی ہے۔ (تفسیر و مفسرین ص ۱۸۷)

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے علماء نے معمولی مسائل (آمین رفع یدین، فاتحہ اور تراویح) میں ایک ایک حدیث اور اس کے راویوں کی چھان بین اور تنقید و تنقیح سے کتابیں بھر دیں لیکن رسول اکرم ﷺ کی ذات قدسی صفات کے متعلق نقل اور عقل دونوں کے خلاف پائی جانے والی روایات اور آثار صحابہ کی چھان بین کی ضرورت محسوس نہیں کی اور منکرین حدیث کو اس کا موقعہ دیا کہ وہ جادو جیسی روایات کو نشانہ بنا کر احادیث کے تمام ذخیرہ کو درجہ اعتبار سے گرانے کی کوشش کریں۔

سورہ معوذتین کی فضیلت!

سورۂ معوذتین (قل اعوذ برب الناس، قل اعوذ برب الفلق) کی فضیلت رسول اکرم ﷺ سے مستقل روایاتِ صحیحہ کے ذریعہ ثابت ہے البتہ اس فرضی واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

حضور ﷺ ان سورتوں کو اپنے ہاتھوں پر دم کر کے اپنے سارے جسم پر پھیرتے تھے اور ان سورتوں کو تعوذ اور شیطانی اثرات سے پناہ مانگنے کی موثر دعاء

قرار دیتے تھے۔

ان دونوں سورتوں کو لبید ابن اعصم کے واقعہ کا شان نزول اور سبب نزول قرار دینا غلط ہے۔

راجح قول کے مطابق یہ سورتیں مکی ہیں اور مکی زندگی کے ابتدائی دور میں ان کا نزول ہوا ہے۔

مدینہ منورہ میں جب سحر کا واقعہ پیش آیا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو ان سورتوں کے تلاوت کرنے کی ہدایت کی گئی۔

مخالفین خاموش کیوں رہے؟

جادو کا واقعہ فتح خیبر کے بعد ۷ھ کے قریب پیش آیا اور اس وقت تک رسول اکرم ﷺ اور اہل مکہ کے درمیان مخالفت جاری تھی اور یہ لوگ حضور ﷺ کو ایک سحر زدہ اور جادو کا مارا شخص کہتے تھے۔

حضور ﷺ پر جادو کے جو اثرات ثعلبی کے موضوع اثر میں بیان کئے گئے ہیں اگر وہ صحیح ہوتے تو وہ یقیناً لوگوں میں پھیلتے اور اہل مکہ اور مدینہ کے یہودیوں تک پہنچتے اور مخالفین آپ کے بارے میں انہیں اچھالتے۔

مودودی صاحبؒ ہی کے الفاظ اس بحث میں یہ ہیں۔

"ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادو گر نے چت کر دیا۔

لیکن آپ کی حیثیت نبوت اس سے بالکل غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ اپنی جگہ اسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ (ضمیمہ ۲۵۲)

مودودی صاحب حضور ﷺ کی ذاتی حیثیت اور حیثیتِ نبوت کے درمیان

فرق کر کے اس اعتراض (مخالفین نے پروپگنڈہ کیوں نہ کیا) کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ذاتی حیثیت اور حیثیت نبوت کے درمیان فرق کرنا ایک ایسا نظریہ ہے جسے خود مودودی صاحب نے منکرین حدیث کے مقابلہ میں اپنے متعدد مضامین میں رد کیا ہے پھر یہ تضاد بیان کیسا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ بھی آپ کی گھریلو زندگی کا واقعہ تھا، آپ کی حیثیت نبوت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ پھر مدینہ کے منافقین نے اس واقعہ کو کس قدر اچھالا؟ کس قدر اس سے دلچسپی لی؟ ظاہر ہے۔

مدینہ کے منافقین بغلی گھونسے تھے، اگر جادو کے اثر سے آپ کی ذات اس قدر متاثر ہوتی اور یہ باتیں ان کے علم میں آتیں اور یقیناً ان کے علم میں آتیں کیونکہ رسول پاک ﷺ کی باہری زندگی ہو یا گھریلو خانگی زندگی، اس کا کوئی گوشہ لوگوں سے مخفی نہیں رہتا تھا۔

تو پھر مخالف انہیں خوب اچھالتے اور حضور ﷺ کی ذات اقدس کا خوب مذاق اڑاتے اس لئے یقینی طور پر یہ ساری داستان بعد میں یہودیوں اور گمراہ فرقہ کی طرف سے گھڑی گئی اور اسے کتابوں میں داخل کیا گیا اور قصہ گو واعظوں نے بغیر سمجھے بوجھے اس کو خوب پھیلایا۔

منافق طبقہ میں بڑی تعداد یہودیوں کی داخل ہو چکی تھی، عہد صحابہ کا مشہور یہودی منافق عبداللہ ابن سبا اپنی تمام مفسدانہ حرکتوں کے ساتھ تاریخ میں موجود ہے۔ یہ منافق یہودی اپنے جادوگر کی شان بڑھانے اور حضور ﷺ کی شان گھٹانے کے لئے یہ دکھاتے کہ ہمارے جادوگر نے رسول پاک کو کتنا عاجز کر دیا تھا۔ اور ان باتوں کو وہ کسی نہ کسی صحابی اور تابعی کی طرف منسوب کر دیتے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور قیاس مع الفارق!

مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی نے اپنے حاشیہ (سورہ معوذتین) میں جادو کی

موضوع روایت کی وکالت کرتے ہوئے اسباب طبعی ظاہری سے پہنچنے والی تکلیفوں پر قیاس کیا ہے۔اور یہ قیاس مع الفارق ہے۔

مولانا لکھتے ہیں۔

"یاد رکھئے، سہو ونسیان مرض اور غشی وغیرہ عوارضِ بشریت سے ہیں۔ آپ کبھی کبھی بیمار ہوئے، بعض اوقات غشی طاری ہوگئی یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیااور آپ نے فرمایا۔

انما انا انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی

میں ایک انسان ہوں جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھولتا ہوں، پس مجھے یاد لادیا کرو۔ (حمائل ۷۹۳)

اس استدلال میں مولانا نے جادو کے اثر سے پہنچنے والی ان تکلیفوں کو جو اس موضوع روایت کے مطابق چھ ماہ تک چلتی رہیں، ان تکلیفوں پر قیاس کیا جو اسباب طبعی کے تحت آپ کو پہنچیں جیسے آپ گھوڑے سے گرے اور آپ کے چوٹ لگ گئی یا مرض الوفات میں آپ کو غشی طاری ہوئی یا اسی طرح کبھی آپ کو نماز کے اندر سہو ہوا۔ یہ سہو عارضی اور وقتی تھا جو چند منٹ کے بعد زائل ہو گیا۔

پھر کہاں یہ عارضی اور وقتی نسیان اور کہاں وہ جادوئی اثر جو اس جھوٹی روایت کے مطابق چھ ماہ تک قائم رہا؟

جسمانی علاج سنت ہے

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ماانزل اللہ داءا الا انزل لہٗ شفاء (بخاری ۸۴۷)

خداتعالی نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری جس کی دوا نازل نہ کی ہو۔

فتداوئو اولا تدائوا بحرام

پس تم علاج کیا کرو، لیکن حرام دواء سے علاج نہ کیا کرو۔

بعض احادیث میں حضور ﷺ نے شہد اور کلونجی کی بڑی تعریف کی ہے۔
مادی اور ظاہری دواؤں سے علاج معالجہ میں شرک کے اندر مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ البتہ مخفی علاج (جادو، ٹونہ، غیر مسنون کلمات اور منتروں) سے شرک میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ رہتا ہے۔
اس لیے اس سے اجتناب واحتیاط ضروری ہے۔

شیطان کا فعل وسوسہ اندازی!

خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی حکمت و مصلحت کے تحت ابلیس اور شیطان کو صرف وسوسہ اندازی اور انسان کے دل میں برے خیال ڈالنے کا اختیار اور قدرت دی گئی ہے۔
اس سے زیادہ نہیں۔ ہاں، اگر کوئی انسان شیطان اور شیطانی اثرات (گناہوں) سے مانوس ہو جاتا ہے برائیوں سے دل چسپی لینے لگتا ہے تو اس پر شیطان قابو پالیتا ہے قرآن کریم نے شیطانی فعل کو چار لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔
(۱) وسوسہ ڈالنا (۲) طائف، گذرنے والا خیال (۳) نزغ کرنا یعنی اکسانا، بھڑکانا (۴) القاء، دل میں خیال ڈالنا۔
(۱) وسوسہ اندازی کے صاف الفاظ سورہ اعوذ برب الناس میں استعمال کئے گئے من شر الوسواس الخناس، میں پناہ مانگتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے اور وسوسہ ڈال کر چھپ جانے والے کے شر و فساد سے۔
(۲) اعراف (۲۰۱) میں مس طائف کو شیطان کا عمل کہا گیا ہے۔
ان الذین اتقو اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا (۲۰۱)
بے شک جو لوگ متقی ہیں، جب شیطان کا وسوسہ ان کو چھوتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں۔

طائف کے لغوی معنی چکر لگانے والا، گذرنے والا، قرآن کریم نے وسوسہ شیطان کو گذرنے والی شی سے تعبیر کیا ہے۔

طائف لغت میں طاف یطیف (ضرب سے) طیفا، کسی چیز کا خیال میں آنا، خواب میں آنا قرآن نے اس لفظ کو وسوسہ (خیال) کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

لغت میں طاف، یطوف طوافا (باب نصر سے) کے معنی چکر لگانا، طواف کرنا آتے ہیں تمام فارسی اور اردو اہل تراجم نے طائف کا ترجمہ وسوسہ کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب نے "گذر" لکھا ہے۔

یعنی جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے۔

گذر کا لفظ اردو محاورہ میں بھی استعمال ہوتا ہے کہتے ہیں ہمارا تو وہاں گذر بھی نہیں، یعنی ٹھہراو اور قیام تو کیا، گذر بھی نہیں۔

(۳) تیسرا لفظ قرآن نے "نزغ" استعمال کیا ہے، نزغ کے معنی لغت میں اکسانا، ورغلانا اور بھڑکانا آتے ہیں۔

یہ لفظ دو مقام پر آیا ہے، اعراف (۲۰۰) میں ہے **خذ العفو وأمر بالعرف**

و اما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ بالله انه سمیع علیم۔

اے نبی، عفو درگذر سے کام لیجئے اور نیک کام کا حکم کیجئے اور اگر کبھی ابھارے تم کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ پکڑیئے اللہ کی۔

شاہ ولی اللہ اور شاہ رفیع الدین نے نزغ کا ترجمہ وسوسہ کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحب ابھارنا کیا ہے اور مفعول مطلق (نزغاً) کا ترجمہ چھیڑ (چھاڑ) کیا ہے۔

حٰم سجدہ میں یہ آیت اس طرح آئی ہے۔

ادفع بالتی هی احسن ...... و اما ینزغنك من الشیطان الخ

یہاں بھی سب حضرات نے نزغ بمعنی وسوسہ استعمال کیا ہے اور شاہ صاحب

نے عجیب ترجمہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑ الخ

یعنی اگر شیطان آپ کو بھول چوک میں ڈالے تو الخ

چوکنا ہندی لفظ ہے، یعنی اچانک غلطی کا ہونا، ظفر کہتے ہیں۔

شاید کسی بدراہ کے بہکائے سے چوکے وہ راہ سے چوکے جو ظفر راہ پر آکر

شیطان کا غلبہ!

ان آیات میں اشارۃً یہ بتادیا گیا کہ شیطان کا عمل صرف وسوسہ اندازی کرنا اور دل میں براخیال ڈالنا ہے۔

سورہ نحل (۱۰۰) میں اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ شیطان کا غلبہ اور اس کا زوران لوگوں پر چلتا ہے جو ایمان وتوکل کی قوت سے محروم ہوتے ہیں، فرمایا

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ الخ انه ليس له سلطان على الذين آمنوا وعلى ربهم يتوكلون وانما سلطانه على الذين يتولونه والذين هم به مشركون(۱۰۰)

اے نبی! آپ جب قرآن کی تلاوت کریں تو خداتعالی سے پناہ وحفاظت کی دعاء کریں شیطان مردود سے بے شک اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں اور اس کا زور چلتا ہے انہی پر جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس کو (خدا کی قدرت میں) شریک سمجھتے ہیں۔

اس آیت پر شاہ صاحب کا تفسیری حاشیہ یہ ہے۔

"دنیا میں کسی آدمی کو کوئی شیطان یعنی جن ستانے لگے تو اس سے رجوع نہ ہو ورنہ اور سر چڑھتا ہے بلکہ اللہ کی پناہ میں دوڑے اس کا کلام ہے اور اس کے نام ہیں"

شاہ صاحب یہ فرمارہے ہیں کہ شیطان یعنی سرکش اور گمراہ جن اگر کسی طرح اپنی وسوسہ اندازی سے پریشان کرنے لگے تو اس کو اہمیت نہ دے اس کو منھ

نہ لگائے اس سے اس کو حوصلہ ملتا ہے، وہ اور زیادہ پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور اس سے پناہ طلب کرے۔

(۴) ایک لفظ "القاء شیطانی" ہے فرمایا۔

وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنیٰ القی الشیطان فی امنیتہ (حج ۵۲)

اور کوئی نبی و رسول ایسا نہیں آیا کہ جب اس نے خدا کا کلام پڑھا تو اس نے اس کلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان شبہات کو دور کر دیا۔

تمنی کے معنی پڑھنا اور آرزو کرنا اگر آرزو کرنے کے معنی لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرات انبیاء کرام دین حق کی کامیابی کے لئے جو آرزو کرتے ہیں شیطان ان کی اس آرزو میں رکاوٹیں ڈالتا ہے اور وہ رکاوٹیں یہ ہوتی ہیں کہ ان کے مخالف لوگوں کو اکسا کر اور بھڑکا کر ان کے مقابلے میں کھڑا کر دیتا ہے۔

وسوسہ اندازی کی قوت!

ابلیس اور اس کی نسلی ذریت (شیاطین) ابن آدم کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی جو قوت رکھتی ہے؟ اس کا اندازہ حضرت آدم اور حواء کے دل میں وسوسہ ڈالنے کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

فوسوس لهما الشيطان ليبد لهما ما وری عنهما من سوآتهما وقال ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخالدين وقاسمها انی لكما من الناصحين. (اعراف ۲۱)

شیطان نے آدم و حواء دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس وسوسہ اور خیال میں اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اس لئے تم سے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں اس پھل کے کھانے سے اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم

دونوں اس کے کھانے سے فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ۔ اس لئے تم اس پھل کو کھالو تاکہ تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ اور تم ہمیشہ زندہ رہو اور تمہیں آسمانوں سے نکلنا نہ پڑے یعنی خدا تعالی تمہیں جنت میں ہمیشہ رکھنا نہیں چاہتا۔ یہاں سے نکالنا چاہتا ہے۔

آدم وحواء نے شیطان کی قسم پر بھروسہ کر کے جنت میں ہمیشہ رہنے کے شوق میں وہ پھل کھالیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابلیس نے وسوسہ اندازی کی قوۃ قویہ سے کام لے کر آسمانوں اور پھر جنت (سماوی) کے اندر آدم وحواء کو بہکایا اور ان سے کہا۔

هل ادلك على شجرة الخلد وملك لايبلى (طہ ۱۲۰)

اے آدم! کیا میں تجھے ایک ایسا پھل نہ بتاؤں جو تجھے ہمیشہ زندہ رکھے اور ایسی سلطنت بتاؤں جو کبھی بوسیدہ نہ ہو۔

بعض علماء ابلیس میں اتنی قوت وسوسہ کے قائل نہیں ہیں اور وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ آدم وحواء جس جنت میں قیام پذیر تھے وہ جنت یعنی باغ زمین ہی پر واقع تھا اور شیطان نے ان کے پاس جاکر انہیں فریب میں مبتلا کیا۔

یہ دوسرا تاویلی قول زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

حضرت ام سلمہؓ کا نفسیاتی مشورہ

حضرت ام سلمہؓ قریش کی ایک ذہین خاتون تھیں حضور علیہ السلام نے ان کے بیوہ ہونے کے بعد انہیں اپنے حرم میں داخل کرنیکا شرف عطاء فرمایا۔

ام سلمہؓ نے حضورؐ کے ساتھ نکاح کا فیصلہ کرنے کے بعد حضورؐ سے کہا۔

یارسول اللہ ﷺ اس پر آپ غور فرمالیں کہ اول تو میں عمر رسیدہ ہوں دوسرے میرے بال بچے بہت ہیں، تیسرے میرے اندر رشک اور حمیت کا مادہ بہت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے آپ کی شان اقدس میں کوئی گستاخی ہو جائے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ام سلمہ! میں تم سے زیادہ عمر رسیدہ ہوں اور جو اہل و عیال تمہارے ہیں وہ در اصل اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ رہی تمہارے مزاج کی بات، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کروں گا کہ وہ مزاج کی اس کیفیت کو دور کر دے۔

ام سلمہؓ اور حضور کی ازدواجی زندگی کا ایک واقعہ بڑا اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضورؐ نے عمرہ کا پروگرام منسوخ کر کے واپسی کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام سے فرمایا، اپنی اپنی قربانیوں کے جانور (ہدی) ذبح کر دو، شرعی مسئلہ یہی ہے۔

صحابہ کرام اس مصالحت سے بہت متاثر تھے اور ان کے دل بجھ گئے تھے اس لئے حضرات صحابہ کے اندر حضور کے حکم کی تعمیل میں سستی پیدا ہو گئی حضور اکرمؐ نے یہ سستی محسوس فرمائی۔

اپنے آقاء کی ہدایت پر دوڑ دوڑ کے عمل کرنے والے آج سستی کا شکار ہیں۔

حضور اکرمؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے اس غیر معمولی صورت حال کا تذکرہ کیا اس سفر میں ام سلمہ حضورؐ کے ساتھ تھیں۔

حضرت ام سلمہؓ نے ایک نفسیاتی مشورہ دیا اور کہا یا رسول اللہ؟ آپ ایسا کریں کہ اپنی قربانی کا اونٹ ذبح کر دیں یہ حضرات آپ کا عمل دیکھ کر اپنے جانوروں کی قربانی کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔

حضورؐ نے ام سلمہ کے اس مناسب مشورہ پر عمل کیا اور واقعۃً ایسا ہوا کہ صحابہ نے آپ کا عمل دیکھا اور دوڑ دوڑ کر اپنی قربانیاں ذبح کر دیں۔

حضرت ام سلمہ کے اس مشورہ میں نفسیاتی تجربہ کی روشنی نظر آتی ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہؓ کا ایمان بالغیب!

حضرت ماریہ ایک مصری خاتون تھیں، رسول پاک ﷺ کے حرم پاک کی

شریک تھیں، خدا کی قدرتِ کہ عمر کے آخری حصہ میں ان کے بطن سے حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے لیکن قدرت نے بیٹے کی یہ فطری خوشی بھی چندروز قائم رکھی اور چھ مہینہ کے بعد ابراہیم کو خداوند تعالیٰ نے واپس بلا کر اپنے محبوب کو پھر امتحان کا ایک جھٹکا دیا۔

ایک روز حضورؐ ماریہ کے پاس آئے تو انہیں مغموم و رنجیدہ پایا حضور نے فرمایا۔

ماریہ! کیا بیٹے کے غم میں پریشان بیٹھی ہو؟

کیا میں تمہیں دکھاؤں کہ تمہارا بیٹا جنت کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے؟

حضرت ماریہ نے ایسا جواب دیا جو ایک بڑے صاحب ایمان ویقین کو دینا چاہئے تھا۔

بولیں! نہیں یارسول اللہ آپ کے فرمانے کا مجھے اپنے دیکھنے سے زیادہ یقین ہے حضورؐ خاموش ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرمایا کرتے تھے، اگر مجھے عالم غیب کے تمام امور کا آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا جائے تب بھی میرے یقین وایمان میں کچھ اضافہ نہیں ہو گا۔

یہ ایمان بالغیب کے کمال کا مرتبہ ہے۔

رسول پاکؐ کی بنات طیبات!

حضرت زینت رضی اللہ عنہا!

رسول اکرم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے چار (۴) بیٹیاں عطاء کی تھیں۔

حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمۃ الزہراء۔

یہ چاروں بیٹیاں حضرت خدیجہ کبریٰ کے بطن سے تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں، حضورؐ نے حضرت خدیجہ کی خواہش پر ان کے بھانجے ابوالعاص کے ساتھ ان کی شادی کر دی تھی۔

ابو العاص کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں تھا، ان کا نام لقیط تھا، ابو العاص کنیت تھی ان کی خالہ صاحبہ (حضرت خدیجہ) بھی قریش کے بڑے تاجروں میں سے تھیں۔

حضرت زینب کو توحید کی دولت اپنے ماں باپ سے ورثہ میں ملی تھی بلکہ زینبؓ نے اس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں جس ماحول میں قرآن کریم کے نزول سے پہلے ہی توحید و اخلاق حسنہ کی روشنی موجود تھی۔

حضرت زینب کے شوہر ابو العاص نے قریش مکہ کے ساتھ قائم تجارتی معاملات کے بگڑ جانے کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا مگر حضرت زینب کے ساتھ محبت اور حسن سلوک میں فرق نہیں آنے دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے قریش کے مظالم سے تنگ آکر خدا تعالی کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں آپ کا سارا خاندان چند افراد کے سوا آپ کے ہمراہ تھا۔

آپ نے ہجرت کے وقت اپنی بڑی لخت جگر کی جدائی کا صدمہ برداشت کیا اور انہیں خدا کے سپرد کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

ہجرت کے ڈیڑھ سال کے بعد قریش مکہ کو ان کی شامت اعمال میدان جنگ میں کھینچ کر لے آئی، غزوہ بدر کا پہلا معرکہ برپا ہوا، ابو العاص قریشی سرداروں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے مگر انہوں نے عملی طور پر حصہ نہیں لیا، بدر میں قریش کو شکست ہوئی اور قریش کے ستر (۷۰) سردار قیدی بنائے گئے۔

ان جنگی قیدیوں میں ابو العاص بھی تھے، ان قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں اس وقت کے جنگی قانون کے مطابق قتل کر کے یا غلام بنا کر رکھنے کے بجائے ان سے حسب حیثیت تاوان اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔

قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ مدینہ روانہ کر دیا اور حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر کا فدیہ روانہ کر دیا۔

یہ فدیہ کیا تھا؟ یہ فدیہ وہ قیمتی ہار تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے شادی

کے موقعہ پر انہیں ہدیہ کیا تھا۔

یہ ایک عجیب و غریب سانحہ تھا، وہ تاریخی ہار رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنی وفا شعار اور اسلام کی فدائی بیوی کا وہ ہار دیکھا، آپ پہچان گئے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جانثار صحابہ نے اپنے محبوب رسول کی آنکھوں میں آنسو دیکھے، عرض کیا حضور! کیا بات ہے، کیا خیال آگیا سرکار کو:- فرمایا۔

یہ ہار میری اہلیہ خدیجہ کبریٰ کا ہے جو انہوں نے بیٹی کو دیا تھا، اگر تم سب کی اجازت ہو تو میں یہ ہار اپنی بیٹی زینب کو واپس کر دوں۔

رسول محترم کا صحابہ سے اجازت لینا اسلام میں قانونی مساوات کا جو درجہ ہے اس کا اظہار ہے، قیدیوں کا فدیہ بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع ہوتا تھا اور اس کا مصرف تمام مسلمانوں کی ضروریات کا پورا کرنا تھا، اس لئے حضور نے مسلمانوں سے اجازت حاصل کی۔

اسلام کے سیاسی نظام میں خلیفہ اور حکمرانوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بیت المال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرے۔

ابو العاص وہ ہار واپس لیکر مکہ چلے گئے، حضور علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مکہ جاکر اپنی بیوی حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔

ابو العاص نے وعدہ کے مطابق اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ انہیں روانہ کرنے کا انتظام کیا، روانگی کے وقت ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے گھیر لیا اور کہا ”ہمیں بیٹی کے باپ کے پاس جانے پر اعتراض نہیں، لیکن یہ کام دن دہاڑے نہیں ہو سکتا، اس میں ہماری توہین ہے، البتہ تم اسے رات کے اندھیرے میں مدینہ لے جاسکتے ہو۔

ان سنگ دل لوگوں نے حضرت زینب کے ساتھ اس قدر وحشیانہ سلوک

کیا کہ حضرت زینب کا حمل جو چند ماہ کا تھا ساقط ہو گیا۔

اس کے بعد کنانہ چند روز آرام کر کے حضرت زینب کو رات کے وقت مدینہ لے گئے اور بیٹی کو باپ کے حوالہ کر دیا۔

حضور ﷺ کو حضرت زینب کے مکہ سے روانگی کی اطلاع مل گئی تھی اور آپ نے بیٹی کو ساتھ لانے کیلئے زید ابن حارثہ (مشہور زید ابن محمد) اور ایک انصاری کو روانہ کر دیا تھا اور انہیں مقام بطن (مکہ سے باہر ایک پڑاؤ) پر ٹھہر کر ان کے انتظار کا حکم دیا تھا، چنانچہ یہ حضرات بھی حضرت زینب کے ساتھ ہی مدینہ آئے۔

زید ابن حارثہ کا استقبال ایک بھائی کا اپنی بہن کا استقبال تھا، حضورؐ نے اپنی محبوب ترین ہستی کو اپنی بیٹی کے استقبال کے لئے بھیجا تھا۔

حضرت زینب مدینہ میں اپنے باپ کے پاس رہنے لگیں، ان کے ساتھ ان کے دو بچے علی اور امامہ بھی تھے۔

ابو العاص کا اسلام!

ابو العاص مکہ میں مقیم رہے، کئی سال کے بعد خدا تعالی نے ان کے مسلمان ہونے کی نہایت حکیمانہ تدبیر کی۔

ابو العاص فتح مکہ سے کچھ پہلے تجارت کے سلسلہ میں ملک شام گئے اس تجارتی سفر میں قریش مکہ کا سرمایہ بھی ابو العاص کے پاس تھا، ابو العاص تجارتی مال لیکر مدینہ واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے انہیں دیکھ لیا، یہ اس وقت تک دشمنوں میں شامل تھے، مسلمانوں نے ان کا مال متاع ضبط کر لیا، ابو العاص ان کی گرفت سے بچ گئے اور رات کے وقت مدینہ منورہ آکر حضرت زینب کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت زینب نے نہایت تدبر سے کام لیا اور صبح کی نماز کے وقت عورتوں کے چبوترہ سے آواز بلند کر کے کہا۔

مسلمانو! خبر دار ہو جاؤ، میں نے ابو العاص کو پناہ دیدی ہے، یہ میرے پاس ہیں۔

عرب میں پناہ دینے کی روایت قدیم تھی اور اگر قبیلہ کا ایک فرد بھی کسی دشمن کو پناہ میں لے لیا کرتا تھا تو سارے قبیلہ کیلئے اس کا احترام ضروری ہوتا تھا۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک عرب سردار اپنے بیٹے کے قاتل کو تلاش کرنے کی غرض سے گھر سے نکل کر صحراء میں اپنا خیمہ نصب کرلیا تھا چنانچہ ایک روز رات کے اندھیرے میں وہ قاتل اس سردار کے خیمہ میں داخل ہو گیا اور اس سردار سے درخواست کی کہ میں ایک مصیبت زدہ ہوں، مجھے پناہ دیدو،

عرب سردار نے اپنی بڑائی کا خیال کر کے اس مصیبت زدہ کو پناہ دیدی۔

صبح اٹھ کر اس سردار نے قدرت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ جس پریشان حال مسافر کو اس نے پناہ دی ہے وہ اس کے بیٹے کا قاتل ہے۔

وہ قاتل دہشت زدہ تھا، اس سردار نے اس کی دہشت کو دیکھ کر اسے تسلی دی اور کہا، میں تجھے پناہ دے چکا ہوں، جاؤ! میں نے تجھے معاف کیا۔

عرب کی اس قدیم روایت کے مطابق قرآن کریم نے خدا تعالیٰ سے پناہ مانگنے اور حفاظت طلب کرنے کی تعبیر اختیار کی ہے۔

یہی مطلب اعوذ باللہ کا ہے اور یہی مطلب معاذ اللہ کا ہے۔

حضور علیہ السلام کی سخت آزمائش!

اس موقعہ پر حضور علیہ السلام سخت امتحان میں پڑ گئے، لوگوں کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی کہ حضور نے بیٹی داماد کی محبت میں ایک دشمن اسلام (داماد) کو مسلمانوں کے علم میں لائے بغیر پناہ دیدی۔

چنانچہ آپ نے حضرت زینب کے اعلان کو سن کر صحابہ کرام سے فرمایا۔

ایھا الناس! ھل سمعتم ما سمعت، قالوا نعم، قال اما والذی نفسی بیدہ ما علمت بشی من ذالک حتی سمعت ما سمعتم، انہ یجیر علی المسلمین ادناھم.

اے لوگو! کیا تم نے زینب کا اعلان سنا، جو میں نے بھی سنا ہے۔ صحابہ نے کہا جی ہاں! سنا، فرمایا، قسم ہے خدائے عزوجل کی اس آواز سے پہلے کوئی بات میرے علم میں نہیں تھی، میں ابوالعاص کی پناہ سے بالکل بے خبر ہوں، میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

البتہ تم اسلام کا یہ قانون سن لو کہ ادنی سے ادنی مسلمان بھی دشمن کو پناہ دے سکتا ہے یعنی اس کی پناہ تمام مسلمانوں کی پناہ کے برابر ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام بیٹی کے پاس آئے اور انہیں نصیحت فرمائی زینب! تم نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے، اب یہ ہمارا خیال ہے اس کا مہمانوں کی طرح اکرام کرنا، لیکن خلوت سے دور رہنا، کیونکہ تم مسلمان ہو اور یہ کافر ہے۔

پھر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے فرمایا۔

تم لوگوں کو ابوالعاص اور میرے ساتھ اس کے تعلق کا علم ہے اگر تم پسند کرو تو اس کا سامان واپس کر دو، میں مجبور نہیں کرتا۔ اس کا مال تمہارے لیے خدا تعالی کا عطیہ ہے اور تم اس کے مستحق ہو۔

صحابہ کرام اپنے محبوب ﷺ کے ایک اشارہ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، تمام صحابہ کھڑے ہو گئے اور ابوالعاص کا تمام سامان انکے سپرد کر دیا۔

ابوالعاص رسول پاک ﷺ کے اس احسان عظیم کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، دل میں ارادہ کر لیا کہ اب میں اسلام قبول کرنے سے باز نہیں رہ سکتا، مگر ان کے پاس قریش مکہ کا تجارتی سامان تھا، ابوالعاص مکہ آئے اور تمام مال ان کے مالکوں کے حوالہ کیا۔

تمام مال واپس کر کے قریش مکہ سے اقرار کرایا کہ ہماری اب کوئی امانت تمہارے پاس نہیں ہے، لیکن اے ابوالعاص! تمہارے اس فعل کی وجہ کیا ہے؟

ابوالعاص نے جواب دیا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اشھدان لا الہ الا اللہ

وحدہ لاشریک لہ الخ۔

ابوالعاص کے مسلمان ہونے کا تمام قریش کو بڑا رنج ہوا اور سب لوگ افسوس کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔

ابوالعاص مدینہ تشریف لے آئے اور حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، ابوالعاص نے بڑے اخلاص کے ساتھ زندگی گذار دی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں یمامہ (مسیلمہ کذاب کے خلاف) کی لڑائی میں مرتبہ شہادت حاصل کیا۔

ان کے دو بچے تھے، لڑکا علی تھا جس کا انتقال ہو گیا تھا اور حضرت امامہ کے ساتھ حضرت علی نے سیدہ کبریٰ کے وصال کے بعد نکاح کر لیا تھا حضرت سیدہ نے اپنے شوہر کو اس کی اجازت دیدی تھی۔

حضرت رقیہ اور ام کلثوم!

حضور ﷺ نے اسلام سے پہلے اپنی ان دونوں بیٹیوں کا نکاح اپنے چچا ابولہب (عبدالعزیٰ) کے دونوں لڑکوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔

ابولہب (کنیت، شعلہ رو چہرہ والا) اسلام سے پہلے اپنے مرحوم بھائی عبداللہ کے یتیم (محمدؐ) سے بڑی محبت کرتا تھا۔

ابولہب کی باندی حضرت ثویبہ نے جب حضرت آمنہ کے بطن سے اس دریتیم کی ولادت کی خوش خبری ابولہب کو سنائی تو اس نے اپنی باندی ثویبہ کو خوش ہو کر آزاد کر دیا۔

ابولہب کا مکان حضور علیہ السلام کے دولت خانہ سے ملا ہوا تھا۔ یہ حضور کا پڑوسی بھی تھا، اس کی بیوی خاندان بنی امیہ کے سردار ابوسفیان کی بہن (ام جمیل) تھی۔

اسلام کی دعوت توحید جب پھیلنی شروع ہوئی تو ابولہب پہلے دن سے ہی اسلام کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا اور خاندان بنی مطلب اور بنی ہاشم کے پہلے مجمع

میں اس نے یہ جرأت کی تھی کہ حضورؐ کا پیغام سنکر یہ کہا تھا۔ (مطلب اور ہاشم جناب شیبہ (لقب عبدالمطلب) کے بیٹے تھے، جو حضور کے دادا تھے)۔

تبالك الهذا جمعتنا؟ تیرا ستیاناس ہو، تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا۔

اس نے حضور کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور اپنی اس خباثت کا اظہار گھریلو زندگی میں اس طرح کیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق دیدو۔

حضورؐ کی اس گھریلو اذیت رسانی میں ابولہب کے ذاتی بغض للّٰہی کے علاوہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی بیوی (ام جمیل) بنی امیہ کے سردار ابوسفیان کی بہن تھی اور بنی امیہ کو بنی ہاشم کے ساتھ پرانی خاندانی رقابت تھی۔

بیٹوں کو اس خباثت پر آمادہ کرنے میں ام جمیل کا خاص رول بھی ہو سکتا ہے۔

بیٹیوں کی طرف سے یہ پہلا صدمہ حضور علیہ السلام کو رقیہ اور ام کلثوم کی طرف سے پیش آیا۔

ابولہب خاندان بنی ہاشم میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن بن گیا تھا اس لعین نے ہادی برحق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچانے کے لئے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ محمد ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دیدو، ان دونوں بیٹوں کی رخصتی ابھی عمل میں نہیں آئی تھی۔

عتبہ نے تو خاموشی کے ساتھ طلاق دے کر حضرت رقیہ کو علاحدہ کر دیا مگر عتیبہ نے شان رسالت میں بڑی گستاخی کی۔

یہ رسول پاک ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو برا بھلا کہا یہاں تک کہ آپ ساتھ دست درازی کی اور آپکا گریبان پھاڑ دیا۔

رسول پاک کو داماد کی اس گستاخی پر بڑا صدمہ ہوا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ بددعاء جاری ہو گئی۔

اللهم سلط علیه کلبا من کلابک ۔ الٰہی! اس گستاخ پر اپنے کتوں میں کوئی کتا مسلط کر دے۔

حضور علیہ السلام کی اس بد دعاء سے یہ نالائق خوف زدہ ہو گیا اور اپنے تجارتی کاموں سے ادھر جانا چھوڑ دیا، لیکن اس کی خوفناک موت اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

چنانچہ یہ اپنے دوستوں کے اصرار پر ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔

اس کے ساتھی رات کو قیام کرتے وقت اسے بڑی حفاظت سے رکھتے اور اس کے چاروں طرف سامان اکٹھا کر دیتے اور سامان کے بیچ میں اسے سلا دیتے۔ مگر ایک دن اس کی موت نے اسے آگھیرا اور جنگل سے ایک شیر آگیا، شیر نے قافلے والوں کو جو سوتے پڑے تھے، ایک ایک کر کے سونگھا، سونگھتے سونگھتے جب شیر کو اس کا شکار عتیبہ مل گیا تو اس نے عتیبہ پر حملہ کر کے اسے چیر پھاڑ کر اس کی تکا بوٹی کر دی اور اپنا کام کر کے واپس چلا گیا۔

حضورؐ نے اپنی ان دونوں بیٹیوں کا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی کے ساتھ نکاح کر دیا۔ پہلے حضرت ام کلثوم سے اور پھر حضرت رقیہ سے۔

آپ کی یہ دونوں بیٹیاں حضرت عثمان ہی کے عقد میں خدا کو پیاری ہو گئیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے، اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو انہیں بھی عثمان غنی کے نکاح میں دیدیتا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا!

رسول اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کو یہ پہلی وہبی سعادت حاصل ہوئی کہ آپ عہد نبوت میں پیدا ہوئیں، بعثت نبوی کا دوسرا سال آپ کی ولادت شریفہ کا سال ہے

حضور علیہ السلام نے اپنی چہیتی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا، زہرا (روشن) اور بتول

(دنیا سے کنارہ کش) آپ کے القاب ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نام کی تجویز ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے پیش کی ہو کیونکہ حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔

عربی لغت میں فاطمہ وہ ماں جس کے بچوں کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو اس نام میں یہ اشارہ پوشیدہ تھا کہ یہ وہ ماں ہے جس کے بچہ ماں کے دودھ سے محروم ہونے والے بچوں کی طرح دکھ اٹھائیں گے۔

اسی طرح یہ ماں بھی اپنے بچوں کی طرف سے دکھ اٹھائے گی جس طرح دودھ چھڑانے والی ماں ضرورت کے طور پر اپنے بچوں کو اپنی رضاعت سے محروم تو کر دیتی ہے مگر اسے اس محرومی سے ذہنی اور قلبی تکلیف پہنچتی ہے۔

حضرت سیدہ کو اپنے ہونہار بچوں (حسن، حسین اور زینب) کی طرف سے جو روحانی اذیت اپنوں کے ہاتھوں اٹھانی پڑی وہ ناقابل بیان ہے۔

اس نام میں یہ اشارہ پوشیدہ معلوم ہوتا ہے۔

ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے لفظ فاطمہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے۔

سمیت بها لان الله فطمها و ذریتها و محبها عن النار

یعنی فاطمہ نام رکھنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور انکی ذریت کو اور ان سے محبت کرنے والوں کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور دور رکھے گا۔

غریب چچازاد بھائی کا انتخاب!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی محبوب بیٹی کے نکاح کا معاملہ خداوند عالم کی پسند پر چھوڑ دیا تھا، کیونکہ بڑی بیٹی کا نکاح اپنی اہلیہ کی پسند کے مطابق کیا اور اس کے بعد دونوں بیٹوں کا عقد اپنی پسند کے مطابق کیا۔ اب تیسری کا عقد خدا کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔

حضرت سیدہ کے لئے بڑے کھاتے پیتے صحابہ کا پیغام آیا، مگر حضورؐ نے ان رشتوں کو منظور نہیں فرمایا۔

حکم الٰہی کا انتظار تھا، وہ حکم آ گیا کہ فاطمہ کا عقد علی مرتضٰی کے ساتھ کر دیا جائے۔
دوسری طرف لڑکی کی عزت قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ اکابر صحابہ نے حضرت علی کو مشورہ دیا کہ وہ حضور ﷺ سے حضرت فاطمہ کے ساتھ رشتہ کی درخواست کریں۔

حضرت سیدہ اور حضرت علی کے اس قریبی رشتہ میں یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ اس جوڑے سے رسول پاک علیہ السلام کی نسل مبارک کا سلسلہ جاری ہونے والا تھا۔

حضرت علی نہ صرف حضورؐ کے محسن چچا جناب ابو طالب کے فرزند تھے بلکہ آپ کے آغوش محبت میں پلے ہوئے اپنے بیٹے کی طرح تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جناب ابو طالب کی معاشی حالت کمزور تھی اس لئے آپ کے صاحبزادے حضرت عقیل کو ان کے بھائی حضرت عباس نے اپنی کفالت میں لے لیا تھا اور حضرت علی ابو طالب کے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کی سرپرستی میں آ گئے تھے۔ بنی ہاشم کے خاندان میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ کا رشتہ قریب ترین رشتہ تھا۔

بہر حال اس طرح حضرت سیدہ کے نکاح میں حکم الٰہی کی تعمیل اور لڑکے کی درخواست دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔

چنانچہ حضرت علی نے حضور سے درخواست کی اور آپ نے اسے منظور فرما لیا مہر کے سلسلہ میں حضور نے علی مرتضٰی سے پوچھا کہ مہر میں ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس کچھ ہے، حضرت علی نے انکار کیا، آپ نے فرمایا۔ وہ جنگی زرہ جو غزوہ بدر کے موقعہ پر غنیمت کے طور پر ملی تھی، وہ کہاں ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا وہ موجود ہے۔

آپ نے فرمایا اسے فروخت کر کے مہر ادا کرو، حضرت علی نے وہ آہنی زرہ حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ (۴۸۰) درہم میں فروخت کی اور وہ رقم حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔

آپ نے فرمایا، یہ رقم لے جاؤ، اس سے فاطمہ کیلئے کپڑوں اور خوشبو کا انتظام کرو، مطلب یہ کہ مہر ادا ہو گیا اور آپ نے بیٹی کی طرف سے وہ رقم ہبہ کر دی اور حضرت علی نے اس رقم سے شادی کے انتظامات کیے۔ حضرت علی کے پاس رہنے کے لئے مکان بھی نہیں تھا، آپ ابھی تک حضور علیہ السلام کے پاس رہتے تھے۔

اس سے شادی کے بعد علیحدہ مکان کی خدمت پیش آئی، حضرت فاطمہ کے علم میں تھا کہ حارثہ ابن نعمان کا مکان خالی ہے آپ نے حضرت علی سے کہا، حارثہ سے مکان مستعار لے لو، آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے۔ کسی نے جاکر حارثہ کو خبر دیدی، حارثہ خدمت اقدس میں آئے اور اپنا مکان خوشی کے ساتھ پیش کر دیا۔ اور خود دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے۔

مکان بوسیدہ تھا، اماجان حضرت عائشہ نے جاکر کھجور سے بنی ٹٹیوں پر مٹی کا گارا بنا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے لیپ دیا اور اس کے سوراخ بند کر دیئے اور یہ نیا مقدس جوڑا اس مکان میں رہنے لگا۔

یہ مبارک رشتہ دو ہجری ماہ رمضان المبارک میں قائم ہوا اور ذی الحجہ کے مہینے میں رخصتی عمل میں آئی۔

حارثہ حضورؐ کے جانثاروں میں بڑی شان کے صحابی تھے، اس محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک روز انہیں حضرت جبریل کی زیارت کرائی۔

ایک روز حضورؐ کے ساتھ مجلس میں جبریل امین تشریف فرما تھے، حارثہ اس مجلس سے گذرے اور آپ کو سلام عرض کیا۔

حضورؐ نے بعد میں حارثہ سے پوچھا، حارثہ! تم نے ان صاحب کو دیکھا جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا، ہاں! حضورؐ! میں نے آپ کے رفیق مجلس کو دیکھا، آپ نے فرمایا، وہ جبریل امین تھے۔ انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا تھا۔

حضرت حارثہ نے یہ بشارت سنکر اپنا سر جھکا لیا۔ (تذکرہ اصحاب روایت مشکوۃ)

حضرت جبریل اکثر حضرت دحیہ کلبی صحابی کی شکل و صورت میں ظاہر ہوتے تھے جب کبھی اللہ تعالی کی طرف سے ظاہری صورت میں نمودار ہونے کا حکم دیا جاتا۔

آل رسول کی غربت!

آل نبی علیہ السلام کی غربت غریب مسلمانوں سے تین درجہ زیادہ تھی۔

(۱) آل نبی کی ایک غربت وہ تھی جس میں ہجرت کے ابتدائی حالات کا دخل تھا اور ان حالات میں تمام صحابہ کرام شریک تھے۔

(۲) آل نبی کی ایک غربت وہ تھی جو ان کے مقام طہارت اور پاکیزگی نفس کی وجہ سے ان پر طاری کی گئی اور اس کی صورت یہ تھی کہ آل نبی کے لئے زکوۃ ممنوع کر دی گئی تھی۔

مالداروں کی زکوۃ و خیرات سے امت کے دوسرے ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی تھی اور اس مال سے عام غریبوں کی غربت کا علاج کیا جاتا تھا مگر آل نبی اس سے محفوظ تھے۔

(۳) آل نبی کی غربت کا تیسرا سبب یہ تھا کہ آل نبی کیلئے ایثار کرنے کی ہدایت تھی اور یہ خاندان امت کے ضرورت مندوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتا تھا۔

اسی وجہ سے رسول پاک ﷺ کی اس محبوب بیٹی نے انتہائی فقر و غربت میں زندگی گذاری حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آل محمد (اولاد و ازواج) کے فقر و غربت کے بارے میں فرماتی ہیں۔

ما شبع آل محمد من خبزا الشعير يومين تتابعين حتى قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم

محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے دو دن لگاتار کبھی جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا، (گیہوں کی روٹی تو دور کی بات ہے) یہاں تک کہ حضورؐ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دوسری حدیث میں فرماتی ہیں کہ کھجوریں اور پانی آل محمدؐ کی عام غذاء تھی۔
اسی غربت کی زندگی میں آپ کے بیٹی داماد بھی شریک رہے۔

صحابہ کرام رسول پاک علیہ السلام کی خدمت میں جو ہدیے بھیجتے تھے ان ہدیوں میں آپ کے بیٹی داماد کا بھی حصہ ہوتا تھا، لیکن مالداروں کی زکوۃ میں آل نبی کا کوئی حصہ نہیں تھا۔

غزوہ خیبر کے بعد مال غنیمت کے خمس (پانچویں حصہ) میں رسول پاک ﷺ آپنی آل وازواج کی مدد کرتے تھے، خمس کا یہی مصرف تھا۔

ایک روز حضرت امام حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں رکھ لی، نواسہ کو بھوک لگ رہی ہو گی نانا جان نے نواسہ کے منہ میں انگلیاں ڈال کر صدقہ کی کھجور نکالدی اور فرمایا، بیٹا! آل محمدؐ کیلئے صدقہ جائز نہیں ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک روز حضرت جبریل امین دحیہ کلبی صحابی کے حلیہ میں حضورؐ کے پاس تشریف لائے، دونوں نواسے موجود تھے، انہوں نے جبریل کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولنا شروع کر دیا، جبریل امین نے پوچھا، حضور! یہ بچے میری آستینوں میں کیا تلاش کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا، یہ تمہیں دحیہ کلبی سمجھ رہے ہیں، دحیہ کلبی جب آتے ہیں تو وہ ان بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ سوغات اپنی آستینوں میں رکھ کر لاتے ہیں، آج انہیں یہ آستینیں خالی نظر آرہی ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت جبریل امین نے بچوں کو جنت کا میوہ لا کر دیا۔

ایک روز صحابہ کرام نے کچھ روٹی سالن بطور ہدیہ بھیجا، آپ نے اصحاب صفہ کو بھی اس ہدیہ میں شریک کرنے کے لئے بلالیا، اس میں سے آپ نے ایک روٹی کے اوپر کچھ گوشت رکھ کر اپنی بیٹی سیدہ کے پاس بھیج دیا اور فرمایا۔

آج فاطمہ کے گھر والے بھی بھوکے ہیں۔

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ سفر پر

جانے سے پہلے اپنے گھر والوں سے ملتے ہوئے سب سے آخر میں اپنی بیٹی فاطمہ زہرا سے ملتے اور سفر سے واپس آتے ہوئے سب سے پہلے اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے جا کر ان کی خیریت دریافت کرتے۔

آپ کے اس معمول میں حضرت سیدہ کے ساتھ گہری محبت کا اظہار تھا۔

ایک روز جب آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو حضرت سیدہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور آپ نے دیکھا۔

وقد علقت مسحا او ستراً -دروازہ پر ایک پردہ (باتصویر) پڑا ہوا ہے اور یہ دیکھا۔ **وحلت الحسن والحسین قلبین من فضة**،دونوں نواسوں کے ہاتھوں میں چاندی کے دو دو کڑے پڑے ہوئے ہیں۔

آپ ان دونوں چیزوں کو دیکھ کر اندر تشریف نہیں لے گئے اور بیٹی سے ملے بغیر واپس ہو گئے۔

مزاج شناس بیٹی سمجھ گئیں کہ ابا جان مجھ سے ملے بغیر کیوں چلے گئے اور آپ نے دونوں نئی چیزیں ختم کر دیں۔

پردہ پھاڑ دیا اور بچوں کے ہاتھوں سے کڑے اتار لیے اور ہر کڑے کو توڑ ڈالا وہ دونوں نواسے روتے ہوئے نانا جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فانطلقا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یبکیان فاخذہ منهما

نانا جان نے ان روتے ہوئے نواسوں کے ہاتھ سے وہ کڑے لے لئے اور حضرت ثوبان سے فرمایا۔

یہ چاندی فلاں مسلمان کے گھر والوں کو دے آؤ۔ پھر فرمایا

ان هؤلاء اهلی اکره ان یاکلوا طیباتهم فی حیاتهم الدنیا .

اے ثوبان! یہ میری اہل بیت ہے، میں پسند نہیں کرتا کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کی خوش حالیوں میں حصہ لیں اور مرغوباتِ نفس میں مبتلا ہوں۔ یہ مثال آل نبی

کے ایثار کی ہے۔

یا ثوبان! اشتر لفاطمہ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج

اے ثوبان! فاطمہ کے لئے ایک گلے کا ہار اونٹ کی ہڈیوں کا بنا ہوا اور دو کڑے عاج (کھجور کی ہڈی) کے خرید کر لے آؤ (مشکوۃ جلد ثانی ۳۸۳)

حضور علیہ السلام نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا۔

اذھبتم طیباتکم فی حیوتکم الدنیا فاستمتعتم بھا (احقاف)

اللہ تعالیٰ منکرین حق سے قیامت کے دن فرمائے گا کہ جاؤ! اپنے اعمال کفر کی سزا، جہنم کی طرف اور تم جنت کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو کیونکہ تم نے دنیا کی زندگی میں زندگی کی تمام لذتیں اور تمام خوش حالیاں پالیں اور خوب مزے اڑا لیے۔

یہ آیت اگرچہ کافروں کے لئے آئی ہے لیکن حضور علیہ السلام نے اس آیت کی طرف اشارہ کر کے تمام مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ وہ زندگی کی لذتوں پر جان نہ دیں بلکہ ان سے ہوشیار رہیں، محتاط رہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے گلے کا ہار اور کڑے حضرت فاطمہ کے استعمال کے لئے منگائے، بچوں کو پہنانے کے لئے نہیں منگائے اور اس رسم جاہلیت کو ختم کر دیا۔

حضرت سیدہؓ کے خادم طلب کرنے کا واقعہ!

تاریخ اور سیرت کی بعض کتابوں میں حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ کے خادم طلب کرنے کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سیدہؓ نے اپنی گھریلو تکلیفیں بیان کر کے حضور ﷺ سے مالِ غنیمت کے آئے ہوئے خادموں میں سے ایک خادم اپنے لئے طلب کیا۔

یہ بات کبھی میرے دل کو نہیں لگی کہ تاریخ نے حضرت سیدہ کو صبر و رضا اور شکر و قناعت کا جو مقام بلند دیا ہے اس کے لحاظ سے حضرت سیدہؓ کی زبان پر یہ

شکایت کیسے آئی؟

رسول پاک ﷺ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت سیدہ کبری سے فرماتے تھے، بیٹی کو دیکھ کر اپنی مسند سے اٹھ جانا اور جوشِ محبت میں انہیں اپنے پاس بٹھالینا، بیٹی کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کے لقب سے نوازنا، یہ صرف خون کی محبت نہیں تھی، سیدہؓ کے اخلاقی فضل وکمال سے محبت کا اظہار تھا، رسول ونبی کے ہاں ظاہری شکل وصورت اور رنگ خون کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اخلاقی کمال کی اہمیت ہوتی ہے۔

پھر یہ کیسے ہوا کہ حضرت سیدہ نے گھریلو زندگی کی تکلیفوں کا اپنے باپ کے سامنے اظہار کیا؟

میری یہ خلش اس وقت دور ہوئی جب میرے سامنے ابوداؤد شریف کی وہ روایت آئی جسے حضرت علیؓ نے ایک اپنے شاگرد ابن اعبد نے نقل کیا ہے۔

روایت کا متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہؓ کے ہاتھوں کے چھالے، سینے پر مشکیزہ کا نشان اور گھر کی جھاڑو بہارو سے کپڑوں کا خراب رہنا۔ یہ تین شکایتیں حضرت علیؓ کی زبان پر جاری ہوئیں، حضرت علیؓ نے اپنے شاگر کو بتایا کہ سیدہ کا یہ حال تھا۔

اسے دیکھ کر حضرت علیؓ نے جنابہ سیدہ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا، سیدہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں، والد کے پاس کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور واپس گھر تشریف لے آئیں۔

دوسرے روز حضورؐ تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں آئی تھیں، کیا ضرورت پیش آئی؟

سیدہ ابا جان کے اس سوال پر خاموش ہوگئیں حضرت علیؓ گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے بیوی کی وکالت فرمائی اور عرض کیا، حضور! یہ تو بولتی نہیں میں

بتاتا ہوں کہ یہ آپ کے پاس کیوں گئی تھیں اور پھر وہ تینوں شکایتیں بیان کیں۔

(۱) یہ چکی چلاتی ہیں ان کے ہاتھ میں نشان پڑجاتے ہیں۔

(۲) یہ پانی لاتی ہیں ان کے سینہ پر مشکیزہ کے نشان پڑگئے ہیں۔

(۳) یہ گھر کی جھاڑو دیتی ہیں ان کے کپڑے غبار آلود ہوجاتے ہیں۔

یہ آپ سے اپنی مدد کیلئے ایک خادم طلب کرنے گئی تھیں، حضور ﷺ نے اپنے داماد کی زبان سے بیٹی کی تکلیفیں سن کر بیٹی کو مخاطب کر کے فرمایا، بظاہر آپ کو اپنے داماد کو مخاطب کرنا چاہئے تھا بیٹی تو خاموش بیٹھی تھیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کو اپنی صاحبزادی پر جو اعتماد تھا اس کا اظہار اس طرح فرمایا اور انہی کو مخاطب کیا۔

سیدہ کبریٰؓ نبیؐ کے جگر کا ٹکڑا تھیں، **فاطمة بضعة منى** - اپنے جگر کے ٹکڑے پر ہی انسان کو زیادہ بھروسہ ہو سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا، بیٹی! اللہ سے ڈرو، اپنے پروردگار کے فرائض بھی ادا کرو اور اپنے گھر کا کام کاج بھی خود ہی کرتی رہو، میں پہلے بدر کی جنگ میں شہید ہونے والوں کے یتیم بچوں کا خیال کروں گا۔

تمہیں اس وقت کوئی خادم نہیں دے سکتا، حضرت سیدہؓ نے ابا جان کی نصیحت کو خاموشی کے ساتھ سنا اور ایک وفاشعار بیٹی کی طرح فرمایا میں تو اپنے اللہ اور اپنے رسولؐ سے ہر حال میں خوش ہوں۔

حضرت سیدہؓ نے حضورؐ سے یہ بھی نہیں کہا کہ ابا جان! آپ کے پاس میرے شوہر علیؓ نے بھیجا تھا، میری زبان ان شکایات سے آلودہ نہیں ہوئی، آپ کو جو کچھ کہنا ہو وہ علیؓ سے کہیں۔ سیدہؓ نے اپنے شوہر پر بات نہیں آنے دی، بلکہ ساری بات اپنے اوپر لے لی۔ اس سے سیدہ کبریٰ کے مقام صبر ورضاء کا درجہ اور زیادہ بلند نظر آتا ہے۔

سیدہؓ نے اسے بھی گوارانہ کیا کہ وہ اپنے شوہر کو شرمندگی میں ڈالیں اور یہ ظاہر کردیں کہ مجھے علیؓ نے تیار کر کے آپ کے پاس بھیجا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کو بالکل نہیں چھیڑا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ کے مزاج میں شوخی ہے اور میری بیٹی سیدہؓ کے مزاج میں سنجیدگی ہے ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؓ اس معاملہ میں بھی وہی شوخ رویہ اختیار کرتے جو ایک دوسرے واقعہ میں اختیار کیا تھا۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ صبح صادق کے وقت حضرت علیؓ کے مکان میں تشریف لے گئے، نماز فجر کا وقت قریب تھا، آپ نے داماد اور بیٹی سے فرمایا نماز کا وقت ہو رہا ہے، اٹھو! نماز پڑھو۔

حضرت علیؓ نے شوخیانہ انداز میں فرمایا،

یارسول اللہ! ہماری جانیں تو اللہ کے قبضہ میں ہیں وہ جب چاہے گا ہم سے نماز پڑھوالے گا، حضور ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے، اس وقت آپ کی زبان پر قرآن کریم کی یہ آیت جاری تھی۔

و کان الانسان اکثر شیءٍ جدلا ۔ انسان بڑا ہی حجت باز واقع ہوا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مزاج میں شوخی بھی تھی اور وہ ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے اور ایک داماد کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار بھی فرمادیا کرتے تھے۔

روایت کا متن

حضرت علیؓ نے اپنے ایک شاگرد (ابن اعبدؒ) کو یہ قصہ سنایا کہ جو عربی زبان کی بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔

کانت فاطمہ من احب اهله انها جرت بالرحے حتی اثر فی یدها واستقت بالقربه حتی اثر فی نحرها و کنست البیت حتی اغبرت ثیابها فاتی النبی صلی الله علیه وسلم خدم فقلت لو اتیت اباك فسئالته

خادما فاتته فوجدت عنده حداثا فرجعت فاتاها رسول الله ﷺ من الغد فقال ما حاجتك؟ فسكتت فقلت (علیؓ)

حضرت فاطمہؓ گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب بیٹی تھیں، چکی چلانے سے ان کے ہاتھ میں گٹے پڑ گئے تھے، پانی کا مشکیزہ اٹھانے سے ان کے سینہ پر نشان پڑ گئے تھے، وہ گھر کی جھاڑو دیتی تھیں جس سے ان کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے حضورؐ کے پاس کچھ خادم آئے میں نے فاطمہؓ سے کہا تم اپنے والد کے پاس جاؤ اور ایک خادم کیلئے کہو، فاطمہؓ وہاں گئیں مگر کچھ کہے بغیر لوٹ آئیں، دوسرے دن حضورؐ ہمارے گھر پر تشریف لائے، آپ نے بیٹی سے پوچھا، وہ خاموش رہیں میں نے جواب دیا اور کہا۔

انا احدثك يا رسول الله (میں نے تینوں تکلیفیں بیان کیں) اور کہا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ جاؤ اور ایک خادم کی درخواست کرو، قال اتقی الله یا فاطمه وادی فریضة ربك اعملی عمل اهلك، سبقکن یتامے بدر فاذا اخذت مضجعك نسبحی ثلاثا وثلثین الخ فهی خیر تك من خادم قالت رضیت عن الله وعن رسولهؐ (ابوداؤد) (اس کا ترجمہ اوپر آچکا ہے)

تسبیح و تحمید کے ذکر کی روحانی اور جسمانی خاصیت

حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو یہ ذکر تعلیم فرمایا کہ اے فاطمہ! جب تو دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر لیٹے تو یہ پڑھ کر سویا کر۔

سبحان الله ۳۳، دفعہ

الحمدلله ۳۳، دفعہ

الله اکبر ۳۴، دفعہ

حضورؐ نے سو دفعہ اس ذکر کے پڑھنے کو خادم سے بہتر قرار دیا،

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے گھر کی دوسری عورتوں کو بھی یہ ذکر تعلیم فرمایا۔

علماءِ حدیث نے اس ذکر کی تاثیر پر گفتگو کی، علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے
کہ دنیوی محنت و مشقت کے اثر کو دور کرنے کے لئے حضورؐ کی اس تعلیم کا مقصد
یہ ہے کہ اس ذکر سے آخرت کا تصور بیدار ہو جائے گا اور یہ تصور آخرت دنیوی
تکلیفوں کے احساس کو ختم کر دے گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس ذکر کی خاصیت پر لکھا ہے کہ حضورؐ کی تعلیم کی برکت سے
خداوند عالم نے اس ذکر میں قوتِ برداشت پیدا کرنے کی تاثیر پیدا کر دی ہے۔

ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے لکھا ہے کہ جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے
کی طاقت پیدا کرنے کے لئے یہ عمل مجبوب ہے۔

علامہ ابن حجر شارح بخاری نے لکھا ہے کہ اس عمل کے بعد جسمانی تکالیف
کا اگر کچھ احساس ہوتا بھی ہے تب بھی نقصان و مضرت سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

علامہ سیوطی نے مرقاۃ الصعود میں لکھا ہے کہ یہ ذکر ہر لحاظ سے خادم اور
غلام سے بہتر ہے۔

آخرت کے لحاظ سے بھی کیونکہ اس کا اجر و ثواب دنیوی خادم کی خدمت
سے بہتر ہے۔ اور دنیا کے لحاظ سے بھی، کیونکہ اس ذکر سے خود انسان کے اندر
خادم کی خدمت سے زیادہ کام کرنے کی قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے

البتہ شرط یہ ہے کہ یہ ذکر پورے شعور اور احساس کے ساتھ کیا جائے۔

(فضائل ذکر ص ۲۰۰)

علامہ سیوطی کا مطلب یہ ہے چونکہ رسول مقبول ﷺ کی زبانِ مبارک
سے یہ جملہ نکلا۔ فهي خير لك من خادم.

یہ کلمات خادم سے بہتر ہیں، تو خدا تعالی نے حضورؐ کے اس وعدہ کو قبولیت
عطا فرمادی۔

چونکہ حضورؐ نے مطلقاً خیر فرمایا اس لئے اسے صرف آخرت کے ساتھ
مقید کرنا مناسب نہیں ہے۔ مطلق رکھنا چاہیے۔

غار النبی علیہ السلام کا واقعہ!

وہ بتول صدیقہ جس کے اخلاقی مظہر کامل اور عکس مکمل ہونے کی شہادت ان کی محترم ماں عائشہ صدیقہ نے دی۔ جو اپنے پیارے باپ کی تلاش میں غار النبی تک گئیں اور سجدہ میں گرے ہوئے باپ کو اٹھا کر ان کے آنسو پونچھے اور پھر وحی الٰہی نے آکر اپنے نبی کو تسلی دی۔

ولسوف یعطیك ربك فترضی (والضحیٰ ۵) اے نبی! غم نہ کرو، ہم آپ کی امت کی بخشش کا اتنا بڑا انتظام کریں گے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

امت کی بخشش کا یہ عظیم پیغام بنتِ رسولؐ زہرائے بتول کے توسل سے امت کو نصیب ہوا۔

سیدہ کبریٰ کی چھوٹی چادر!

اتی فاطمہؓ بعید قدوهبه لها وعلی فاطمه ثوب اذا قنعت به راسها لم یبلغ رجلیها واذا غطت به رجلیها لم یبلغ راسها فلما رای رسول اللهؐ ما تلقی (دشواری کا پردہ کرتے میں) قال انه لیس علیك باس. انما ابوك وغلامك (ابوداؤد، مشکوۃ ۲۶۹)

حضرت سیدہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لا رہی تھیں اور آپ کے ساتھ ایک خادم بھی تھا جو حضورؐ نے انہیں عطا کیا تھا۔

حضرت سیدہ کے جسم اطہر پر ایک چادر تھی جو سارا جسم ڈھانکنے اور شرعی پردہ کے لئے کافی نہ تھی۔

حضرت سیدہ اس چادر سے اپنا سر ڈھانکتیں تو آپ کے پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانکتیں تو سر کھل جاتا۔

رسول پاکؐ اپنی بیٹی کی اس دشواری کو دیکھ رہے تھے آپ نے فرمایا، بیٹی! کوئی حرج نہیں، پریشان نہ ہو یہ تیرا باپ ہے اور وہ تیرا خادم ہے۔

یہ واقعہ غلام دینے سے انکار کے بعد کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ضرورت مند مسلمانوں کی مدد کرنے سے آپ فارغ ہوگئے تو اس کے بعد مال غنیمت میں سے آپ نے ایک خادم بیٹی کو عطاء کر دیا۔

حضرت سیدہ کو خطاب کیا

رسول اکرم ﷺ نے تبلیغ اسلام کا پہلا حکم (وانذر عشیرتك الاقربین) نازل ہوا اور آپ نے عبدالمطلب اور بنی ہاشم (دادا حضرت شبیہ مشہور عبدالمطلب) کی دونوں شاخوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو اس خطاب میں آل عبدالمطلب اور آل ہاشم کو مخاطب کرنے کے بعد اپنی بیٹی حضرت سیدہ کو خاص طور پر خطاب فرمایا۔

اتق اللہ! یا فاطمہ! لا اغنی عنك من اللہ شیئا، اے فاطمہ اللہ سے ڈر! میں قیامت کے دن خدا کے مقابلہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا مجھے دنیا میں اپنے باپ سے جو کچھ لینا ہے وہ یہیں لے لے۔

یہ خصوصی خطاب اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ حضور علیہ السلام کی آل کا سلسلہ الٰہی کے بطن مبارک سے چلے گا اور آپ کی آل کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ آل محمدؐ اپنے نسبی رشتہ کی بناء پر بخشی جائے گی، خواہ وہ کچھ بھی کرے۔

حضور علیہ السلام نے اس غلط فہمی کو دور فرمادیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن لڑکی تھیں، لیکن رسول اکرم ﷺ نے اسی مصلحت مذکورہ کے تحت انہیں خطاب فرمایا۔

وصال کے وقت بیٹی سے راز و نیاز!

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آخری بیماری کے ایام میں ایک روز تمام ازواج مطہرات میرے حجرہ میں حضور ﷺ کی مزاج پرسی کے لئے جمع تھیں کہ حضرت فاطمہ تشریف لائیں، ان کی چال اور ان کا انداز رفتار حضور علیہ السلام کی

خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مَاذَا عَلَی مَن شَمَّ تُربَتَ اَحمَدَا
کیا چاہیے اسکو جو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تُربت کو سُونگھے

اَن لَا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا
اُس کو یہ چاہیے کہ عمر بھر کوئی خوشبو نہ سُونگھے

صُبَّت عَلَیَّ مَصَائِبُ لَو اَنَّھَا
مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ جو دِنوں پر

صُبَّت عَلَی الاَیَّامِ صِرنَ لَیَالِیَا
پڑیں تو دِنوں کی راتیں ہو جائیں۔

رفتار نے چھپتا نہیں تھا، یعنی حضور کی چال اور ان کی چال ایک جیسی تھیں۔
(ما تخفی مشیتها من مشیة رسول الله ﷺ) حضورؐ نے جب انہیں آتے دیکھا تو فرمایا، مرحبا یا بنتی! میری بیٹی کی لئے خوش حالی ہو، کشادگی ہو، یہ جملہ دعائیہ ہے پھر آپ نے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور ان کے کان میں چپکے سے کوئی بات کی، فاطمہ وہ بات سنکر زور سے (بکاءً شدیداً) رونے لگیں۔
حضور علیہ السلام نے جب ان کا یہ حزن و غم دیکھا تو پھر ان کے کان میں دو بارہ کچھ کہا، اس خفیہ بات پر سیدہ کبریٰ ہنسنے لگیں۔
اس واقعہ کے بعد حضورؐ کسی ضرورت سے کھڑے ہو گئے، میں نے حضرت فاطمہ سے وہ راز کی باتیں پوچھیں، وہ بولیں کہ میں اپنے باوا جان کا راز نہیں کھول سکتی۔
اس کے بعد حضور ﷺ وفات پا گئے، وفات کے بعد میں نے سیدہ سے عرض کیا، فاطمہ! میں اپنے حق کا واسطے دے کر تم سے پوچھتی ہوں کہ وہ راز کیا تھا؟ سیدہ نے فرمایا، ہاں! میں اب وہ راز بتاتی ہوں۔
اماجان! پہلی بار حضورؐ نے میرے کان میں فرمایا۔
بٹی! ہر سال جبریل امین ایک دفعہ مجھ سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے، میرا خیال ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔
فاتق الله و اصبری فان نعم السلف انا لك.
بٹی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر اختیار کرنا، میں تمہارے لئے بہترین پیش خیمہ ہوں یعنی تم سے پہلے خدا کے حضور میں پہنچ کر تمہاری مغفرت کا سامان کروں گا، میں حضورؐ سے جدائی کا یہ پیغام سن کر رونے لگی، حضورؐ نے میری آہ و بکاء کو دیکھ کر پھر مجھ سے کان میں یہ فرمایا۔
الا ترضین ان تکونی اول اهل بیته اتبعه و ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة، بٹی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوا کہ تم میری اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرو اور سب سے پہلے میرے پاس آؤ اور تمہارے

لئے یہ بات خوشی کی نہیں ہے کہ تم جنتی عورتوں کی سردار اور شاہزادی بنائی جاؤ۔
یہ سنکر میں ہنس دی۔ (مشکوۃ جلد ۲ ص ۵۷۵ بحوالہ متفق علیہ)

وہ محبوب رسول تھیں!

حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا۔
سائل نے پوچھا- ای الناس احب الی رسول الله ﷺ قالت فاطمة ، فقیل من الرجال قالت زوجها، (مشکوۃ ۲، بحوالہ ترمذی)
سائل نے پوچھا، لوگوں میں سے حضورؐ کے نزدیک کون زیادہ محبوب تھیں۔
آپ نے فرمایا، حضرت فاطمہ زیادہ محبوب تھیں، پھر پوچھا، مردوں میں کون تھا؟ آپ نے جواب دیا انکے شوہر حضرت علیؓ۔

نواسوں کے مشابہت جسمانی تھی!

اگر سیدہ اپنے باپ کے ساتھ اخلاقی مشابہت رکھتی تھیں تو آپ کے دونوں لخت جگر اپنے محترم نانا کے ساتھ جسمانی مشابہت رکھتے تھے۔
حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں۔
الحسن اشبه رسول الله ﷺ مابین الصدر الی الراس والحسین اشبه النبی ﷺ ماکان اسفل من ذالك (۵۷۱ بحوالہ ترمذی)
حضرت علی اپنے صاحبزادگان کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت حسن سر سے سینہ تک حضور کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے اور حسین سینہ سے قدموں تک مشابہت رکھتے تھے۔
ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بڑے نواسے نے نانا جان کے مقدم حصہ کی شبیہ حاصل کی کیونکہ وہ پیدائش میں مقدم تھے اور چھوٹے صاحبزادے نے باقی حصہ کی شبیہ حاصل کی کیونکہ وہ چھوٹے تھے اور حسن سے موخر تھے۔
جسمانی مشابہت بیٹی کے ساتھ کیوں نہیں؟

رسول اکرم ﷺ مرد کامل تھے، جسمانی حسن و جمال اور ظاہری توازن واعتدال کا مکمل نمونہ تھے، اسی طرح روحانی اور معنوی اوصاف میں بھی آپ کا وجود روحانی بے مثال تھا۔

لیکن کسی نسوانی وجود میں اس مرد کامل کی جسمانی شبیہ پیدا نہیں ہوسکتی تھی حضرت سیدہ کبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ جسمانی مشابہت رکھتی تھیں، حضرت خدیجہ کبریٰ قریش کی بڑی صاحب جمال خاتون تھیں۔

حضرت حواء کی تخلیق کے بارے میں علماء محققین نے لکھا ہے کہ حضرت حواء کا حضرت آدم کی پسلی (مادی وجود) میں سے پیدا ہونے کیا خیال غلط ہے اور (منھا) میں من جزئیت کیلئے نہیں ہے بلکہ جنسیت کیلئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس قسم کے مادہ سے آدم کی تخلیق ہوئی اسی قسم کا مادہ اور خمیر حضرت حواء کا تھا۔

انسان کا روحانی وجود (روح الہٰی) نور خداوندی کا عکس ہے، اس لئے روح میں ذکور واناث (مذکر و مونث) کی تقسیم نہیں ہے۔

اس بناء پر رسول اکرم ﷺ کے وجود روحانی اور اخلاق حسنہ کا عکس اور شباہت آپ کی محبوب بیٹی کے وجود مطہر میں موجود تھی۔

البتہ اس محبوب بیٹی کے دونوں گوہر نایاب (حسن وحسین) اپنے نانا کے جسمانی حسن وجمال کے عکس سے منور ومطہر تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں نواسوں کو دنیا کے اپنے دو پھول فرمایا اور آپ ان بچوں کو اسی طرح سونگھتے تھے جس طرح پھولوں کو سونگھا جاتا ہے۔

الفاظ رسول علیہ السلام یہ ہیں۔ ھما ریحانی من الدنیا۔ ریحانی، ریحان کا تثنیہ ہے، ریحان کا لفظ رزق رحمت اور راحت کے مفہوم میں آتا ہے اور اولاد کو بھی ریحان کہا جاتا ہے کیونکہ اولاد بھی ماں باپ کے لئے راحت جان ہے، رزق وروزی کا سبب ہے قرآن کریم میں یہ لفظ دو جگہ آیا ہے۔

سورہ رحمان (۱۲) میں ہے، والحب ذو العسف والریحان۔ یعنی بھوسے والا اناج اور خوشبودار پھول یہ دونوں خدا کا انعام ہیں۔ یہاں پھول کے معنی میں ہے سورہ واقعہ (۸۹) میں ہے، فروح وریحان یعنی بندگان خاص کے لئے جنت میں راحت ہے اور روزی ہے اس جگہ روزی کے معنی میں ہے۔

حضرت انس کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام حاجزادی کے ہاں تشریف لائے اور فرمائے۔

ادعی لی ابنی فشمهما ویضمهما (مشکوۃ ۵۷۱ بحوالہ ترمذی)

فاطمہ! میرے دونوں بیٹوں کو بلاؤ، پھر آپ انہیں سونگھتے تھے اور انہیں چمٹاتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے ایک روز عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی سے باہر نکل کر امام حسن کو دیکھا اور انہیں اپنے کندھے پر بٹھالیا اور یہ شعر پڑھا۔

بابی شبیه بالنبی لیس شبیهها بعلی

میرا باپ قربان ہوا اے حسن تم پر، تم رسول پاک کے مشابہ ہو، اپنے والد علی کے مشابہ نہیں ہو۔ حضرت علی اس وقت موجود تھے اور یہ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

(مشکوۃ ۵۷۲ بحوالہ بخاری شریف)

حضرت انس نے ابن زیادہ کے دربار میں اس کی گستاخی کو دیکھا کہ وہ حسین کے سر پر چھڑی مار رہا تھا اور ان کے حسن وجمال کا مزاق اڑا رہا تھا۔

یہ افسوسناک منظر دیکھ کر حضرت انس نے فرمایا۔

والله انه اشبههم برسول الله صلی الله علیه وسلم

خدا کی قسم حسین رسول پاک ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ (مشکوۃ ۵۷۲ بحوالہ بخاری)

چونکہ امام محترم شبیہ رسول مشہور تھے اور آپ کے حسن وجمال کی شہرت تھی اس لئے اس مردود نے آپ کے حسن وجمال کا مزاق اڑایا، (**قال فی حسنه**) حضرت انس نے اس کی تردید اور مذمت کی۔

باواجان کی وفات پر اظہار غم!

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت انس حضرت سیدہ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو ان سے فرمایا۔

اے انس! تم نے کن ہاتھوں سے میرے باواجان کے اوپر مٹی ڈالی، یہ کہہ کر سیدہ زاروقطار رونے لگیں۔

آپ نے اپنے محبوب باپ کے غم میں یہ اشعار کہے

انا فقد ناك فقد الارض وابلها
وغاب مذغبت عنا الوحی والكتب
فليت قبلك كان الموت صادفتا
لما يغيب وحالت دونك الكثب

ابا جان! آپ ہم سے اس طرح جدا ہو گئے جس طرح زمین کی تری اور شادابی زمین سے نکل جاتی ہے اور وہ خشک ہو جاتی ہے، آپ کے وصال فرمانے سے خدا کی وحی اور آسمانی کتابوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

کاش! آپ سے پہلے مجھے موت آگئی ہوتی۔

سیدہ کبریٰ کا اپنے محبوب باپ کے غم میں یہ شعر بھی مشہور ہے۔

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الایام صرن لیالیا

مجھ پر مصائب اتنے پڑے ہیں کہ اگر یہ مصائب دنوں پر نازل ہوتے تو ان کی روشنی بھی سیاہی سے بدل جاتی۔

چھ ماہ کے بعد وفات!

حضرت سیدہ کبری اپنے محبوب باپ کی وفات کا صدمہ برداشت نہ کرسکیں اور باپ کی جدائی کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں۔

وفات کے بعد ہی سے بیمار رہنے لگیں تھیں، یہاں تک کہ چھ ماہ کے بعد

اپنے پیارے باپ سے عالم بالا میں جاملیں۔

جمعہ کے دن قبولیت کی ساعۃ!

جمعہ کے روز قبولیت دعاء کی ایک خاص ساعت آتی ہے، اس ساعت کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان فی الجمعة لساعة لا یوافقها عبد مسلم یسأل الله تعالی فیها خیراً الاّ اعطاه ایاه . یہ روایت متفق علیہ ہے، مسلم کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے، هی خفیفة یعنی حضورؐ نے فرمایا- جمعہ کے دن جو وقت قبولیت دعاء کا ہے، اس وقت ایک مسلمان خداتعالی سے جو دعاء کرتا ہے خیر و بھلائی کی، اللہ تعالی اسے قبول کرلیتا ہے اور یہ ساعت بہت مختصر ہوتی ہے۔

اس وقت قبولیت کے تعین میں مختلف اقوال ہیں۔

ایک قول حضرت عبداللہ ابن سلام (نو مسلم یہودی عالم) کا یہ ہے کہ وہ جمعہ کے دن کا آخری وقت ہے (هی آخر ساعة فی یوم الجمعة)

حضرت ابوہریرہ نے اس سے سوال کیا کہ آخر وقت کیسے ہوسکتا ہے جبکہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ مسلمان نماز کی حالت میں دعاء کررہا ہو (لا یصادفها مسلم وهو یصلی فیها) یعنی جمعہ کی آخری ساع میں نماز کیسے ادا کی جائے گی، کیونکہ آخری ساعت سورج غروب ہونے کی ہے اور اس وقت نفل نماز مکروہ ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ ابن سلام نے فرمایا، کیا حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا من جلس ینتظر الصلوة فهو فی صلوة، یعنی جو مسلمان نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے وہ نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہی مطلب ہے حضرت ابوہریرہ نے اس کی تائید کی۔ (مشکوۃ ۱۲۰)

عبداللہ ابن سلام نے نماز پڑھنے (یصلی) سے نماز کا انتظار (ینتظر الصلوة) مراد لیا ہے کیونکہ نماز میں تلاوت واذکار نماز میں شامل ہوتے ہیں اور اصل حدیث فضیلت میں خداتعالی سے سوال ودعاء برائے خیر مذکور ہے۔

حدیث میں یہ تاویل حضرت عبداللہ ابن سلام کی علمی فضیلت پر دلیل ہے۔

حضرت سیدہ کبریٰ کا معمول!

اس مسئلہ میں حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا معمول یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی نماز تک مصلیٰ پر بیٹھی رہتی تھیں اور ذکر الٰہی اور دعاء میں مشغول رہتی تھیں۔

اس ذکر واذکار دعاء کے وقت سیدہ نماز مغرب کے انتظار کی نیت بھی کر لیتی تھیں

حضرت سیدہ کی دعاء و تہجد!

حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا تہجد کی نماز کے بعد اکثر پڑوسیوں کے حق میں دعاء فرمایا کرتی تھیں۔

ایک روز بڑے صاجزادے حضرت امام حسن نے کہا۔

اماجان! آپ پڑوسیوں کے لئے دعاء زیادہ کرتی ہیں سیدہ نے جواب دیا، بیٹا! الجار قبل الدار یعنی پڑوسی کا حق اپنے گھر سے پہلے ہے۔

حضرت سیدہ کا اشارہ قرآن کریم کی اس آیت (نساء ۳۶) کی طرف ہے الجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب ایک پڑوسی رشتہ دار، ایک پڑوسی اجنبی اور ایک پڑوسی پہلو نشین اور ہم نشین، ان تینوں قسم کے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

محبت رسول اور فقر!

حضرت عبداللہ ابن مغفل کہتے ہیں۔

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی احبك یا رسول اللہ! قال انظر ماتقول فقال واللہ انی لاحبك ثلث مرات قال ان کنت صادقا فاعد للفقر تجفافا الفقر اسرع الی من یحبنی من السیل الی منتهاہ (بحوالہ ترمذی مشکوۃ ۴۴) یعنی ایک صاحب حضور علیہ

السلام کی خدمت میں آئے اور کہا، میں آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا، سوچ سمجھ کر کہہ، کیا کہہ رہا ہے۔ اگر تو اس دعوی میں سچا ہے تو پھر فقر و فاقہ کے حملہ کو روکنے کے لئے زرہ تیار کرلے۔ کیونکہ جو مومن مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر و غربت اس طرح دوڑتی ہے جس طرح سیلاب کا پانی اپنے آخری مقام (نشیب) کی طرف دوڑتا ہے یہی نصیحت آپ نے حضرت کعب ابن عجرہ کو کی تھی یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے ہم نے وقت کی قدر و قیمت اور لایعنی باتوں سے بچنے کے مضمون میں اس کی وضاحت کی ہے اور اسے دیکھا جائے

فقراء اور جنت!

ابوہریرہ فرماتے ہیں آپ نے فرمایا۔

یدخل الفقراء الجنة قبل لاغنیاء لخمس مائة عام نصف یوم (ترمذی)

میری امت کے اہل فقر و غربت دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور پانچ سو سال آخرت کے دنیا کے حساب کے آدھے دن کے برابر ہوں گے۔

علامہ قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے صبر و رضاء کو جنگی زرہ سے تشبیہ دی ہے یعنی فقر و غربت کی اذیت سے بچنے کے لئے صبر و قناعت کی قوت پیدا کی جائے، یہی اخلاقی اوصاف فقر و افلاس کی اذیت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

جنگی زرہ کی تشبیہ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ فقر و غربت کے مصائب کا حملہ اتنا ہی شدید ہوتا ہے جتنا شدید حملہ میدان جنگ میں دشمنوں کی طرف سے تیر و تلوار کے ذریعہ کیا جاتا ہے تقدیر الٰہی مصائب کے تیر چلاتی ہے۔

حضرت سیدہ کبریٰ شریک غم!

آپ کی تمام بیٹیاں قابل احترام تھیں مگر اللہ تعالی نے حضرت سیدہ کبریٰ کو

جو عظمت عطاء فرمائی اس میں آپ کی شان منفرد نظر آتی ہیں۔

حرم پاک میں جب رسول اکرم ﷺ پر سجدہ کی حالت میں دشمنوں نے اونٹ کا اوجھ آپ کی پیٹھ پر ڈالا تو اس وقت یہ کم سن معصوم بیٹی دوڑ کر مظلوم باپ کی حمایت کے لئے حرم میں تشریف لائیں اور آپ کی پیٹھ پر سے اونٹ کی وہ نجاست دور کی، سرداران قریش دور کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے مگر عرب کے دستور کے خلاف بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی جرات نہ کر سکے۔

غزوہ احد میں جب آپ کے محبوب باپ پر دشمنوں نے حملہ کر کے آپ کے چہرہ انور کو زخمی کیا تو یہی پیاری بیٹی اپنے باپ کے چہرہ انور کو اپنے مبارک دامن سے صاف کرتی اور خون پونچھتی نظر آئیں اور آپ نے کھجور کے پتوں کو جلا کر آپ کے زخموں میں بھرا۔

بیٹی کی تعظیم فرماتے تھے۔

رسول پاک ﷺ کی نگاہ نبوت حضرت سیدہ کی پیشانی میں اپنی ذریت طیبہ کا نور دیکھتی تھیں اس لئے آپ عظیم پیغمبر ہوتے ہوئے اپنی بیٹی کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ جب حضرت سیدہ کبریٰ آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ان کی تعظیم اور ان کی محبت کے جوش میں کھڑے ہو جاتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے اور یہی معمول جنابہ سیدہ کا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تشریح کے مطابق یہ تعظیم بیٹی کے اخلاقی کمالات کی تھی، ان کے صبر وقناعت کی تھی، جس طرح حضرت یعقوب کی محبت اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ تھی یہ محبت اس بیٹے کے ساتھ تھی جس کی پیشانی میں خدا کے رسول یعقوبؑ نبوت کا نور دیکھتے تھے اور یہ دیکھتے تھے کہ تمام بیٹوں میں یہی بیٹا باپ دادا کی روحانی وراثت (نبوۃ) کا وارث ہوگا۔

حضورؐ سیدہ میں اپنی اخلاقی شبیہ دیکھتے تھے!

حضرت عائشہ صدیقہ حضرت سیدہ کی فضیلت بیان فرماتی ہیں۔

ما رایت احداً کان اشبه سمتا و هديا و دلا و حديثا و کلاما برسول الله صلى الله عليه وسلم من فاطمه، کانت اذا دخلت عليه قام اليها فاخذ بيدها فقبلها و اجلسها في مجلسه و کان اذا دخل عليها قامت اليه فاخذت بيده فقبلته و اجلسته في مجلسها (مشکوۃ ۴۹۲ بحوالہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں

میں نے رسول پاک ﷺ کے ساتھ مشابہت میں فاطمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا فاطمہ عادت میں، اخلاق میں، چال ڈھال میں، گفتگو اور کلام میں اپنے والد کے ساتھ مکمل اخلاقی مشابہت رکھتی تھیں حضور علیہ السلام حضرت فاطمہ کے تشریف لانے پر ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔

یہی معمول آپ کی صاحبزادی کا تھا کہ وہ حضور کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں اور آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کلام عرب کی بڑی زباں داں خاتون تھیں آپ کے چار الفاظ میں بڑی جامعیت ہے اور ان میں مکمل اخلاقی مشابہت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بیٹی شوہر سے ناراض!

ایک روز حضرت سیدہ کبریٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے شوہر حضرت علیؓ کے درمیان کسی گھریلو معاملہ میں کچھ نا چاقی ہو گئی، حضرت سیدہ باپ کے پاس شکوہ شکایت کرنے تشریف لائیں، حضرت علی بھی حضرت سیدہ کے پیچھے پیچھے آ گئے۔

رسول پاک ﷺ نے اپنی محبوب بیٹی کے تیور دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ فاطمہ پر

خفگی کے آثار ہیں۔

حضورؐ نے بیٹی کو بٹھایا اور قبل اس کے کہ بیٹی شکوہ وشکایت کے لئے زبان کھولے فرمایا۔ فاطمہ! اس شوہر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو اپنی ناراض بیوی کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہو۔ حضرت فاطمہ نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے مسکرا رہے تھے بس، ناراضگی ختم ہو گئی اور یہ سعید جوڑا واپس چلا گیا۔

حضرت علی کا ارادہ نکاح!

حضرت علیؓ نے ایک دفعہ حضرت سیدہ کبریٰ کی حیات میں ابو جہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا، یہ لڑکی مسلمان ہو گئی تھی اور مدینہ میں بیوگی کی زندگی گذار رہی تھی۔

حضرت سیدہ کو اپنے شوہر کے ارادہ کا علم ہوا آپ اپنے والد کے پاس تشریف لائیں اور بڑے ادب کے ساتھ اشاروں میں فرمایا۔

حضور! اس باپ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کا داماد دوسری شادی کر رہا ہو اور اس کی بیٹی پر سوکن لا رہا ہو۔

حضورؐ نے فرمایا، صاف صاف کہو، کیا بات ہے حضرت سیدہ نے ساری بات سنائی، حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے، حضور کو دیکھ صحابہ کرام جمع ہو گئے آپ نے فرمایا۔

میں نے سنا ہے کہ علی میری بیٹی کے اوپر دشمن خدا ابو جہل کی بیٹی کو سوکن بنا کر لا رہا ہے، وہ سن نے کہ اس سے میری بیٹی کو (فطری طور پر) اذیت پہنچے گی۔

من آذا فاطمه فقد آذانی فقد آذان الله، فاطمه بضعة منی۔ جو شخص فاطمہ کو اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت پہنچائے گا وہ میرے خدا کو اذیت پہنچائے گا، فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت علی کو قانونی طور پر منع نہیں کیا، کیونکہ اللہ کے

رسول کو اپنی بیٹی کی محبت میں قانون الٰہی (تعداد ازواج) کو منسوخ کرنے کا حق نہیں تھا، آپ نے روحانی پہلو سے حضرت علی کو منع کیا۔

کوئی عورت اپنے شوہر کو قانونا دوسری شادی سے نہیں روک سکتی لیکن فطری طور پر اسے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کی فطری مجبوری ہے۔ اس کے بعد حضرت علی نے اپنا پروگرام منسوخ کر دیا اور حضرت سیدہ کی وفات کے بعد حضرت امامہ (بنت زینب) سے نکاح کیا۔

حضرت سیدہ اور پردہ کی اہمیت!

حضرت سیدہ کبریٰ اپنے محبوب باپ کے وصال کے بعد چھ مہینہ تک صاحب فراش رہیں اور کسی نے اس غم زدہ بیٹی کے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں دیکھی، البتہ اس وقت اس غم زدہ بیٹی کے نورانی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم دیکھا جب انہوں نے وصال کے بعد اپنے جسم اطہر کے پردہ میں ہونے کا یقین ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق کی بڑی بیٹی حضرت اسماء بیان کرتی ہیں کہ بیماری کے دنوں میں ایک روز حضرت سیدہ نے مجھے بلایا اور فرمایا۔

اسماء! مجھے آخری وقت میں ایک غم کھائے جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ میری موت کے بعد میرے جسم کو مسہری پر لے جایا جائے گا اور میرا جسم چادر کے اوپر سے نظر آئے گا؟

یعنی مجھے اتنی بے پردگی بھی برداشت نہیں،

حضرت اسماء نے فرمایا، صاحبزادی! آپ اس کا فکر نہ کریں میں نے حبشہ میں ہجرت کے موقعہ پر دیکھا تھا کہ وہاں عورتوں کو خاص قسم کی مسہری پر لے جایا جاتا ہے۔

حضرت اسماء نے ایک چارپائی منگائی اور اس کے اوپر کھجور کی شاخیں گول کر کے باندھیں اور ان پر ایک چادر ڈالی اور حضرت سیدہ کو دکھایا اس وقت اس غم زدہ بیٹی کے منور و مطہر چہرہ پر تبسم طاری ہوا اور فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالی نے تمہارے ذریعہ میرے جسم کو اجنبی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا۔

حضرت سیدہؓ اور علامہ اقبال!

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

نور چشم رحمۃ للعالمین
آں امام اولین و آخریں

آں کہ جان در پیکر گیتی دمید
روزگار تازہ آئیں آفرید

بانوئے آں تاجدار ھل اتی
مرتضی مشکل کشا شیر خدا

مادرِ آں مرکزِ پرکار عشق
مادرِ آں کارروان سالار عشق

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بہ دامانِ نماز

اشک او بر چید جبریل از زمیں
ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

سید الشہداء حضرت امام حسینؓ!

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گرویدہ است

سر آں ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

سیدہ کی منقبت!

حضرت مریم کو صرف ایک نسبت کا شرف حاصل تھا اور وہ نسبت یہ تھی کہ حضرت مریم ماں تھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔

اس کے مقابلہ میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کو تین نسبتوں کا شرف حاصل تھا۔

ایک نسبت آپ کو یہ حاصل تھی کہ آپ رحمۃ للعالمین کی لخت جگر اور نور چشم تھیں۔ وہ رحمۃ للعالمین جو امام اولین و آخرین تھا اور جن کے پیغام کی روح نے صداقت و عدالت کا ایک نیا عالم پیدا کیا۔

سیدہ کو دوسری نسبت یہ حاصل تھی کہ آپ اس پاک نفس ہستی کی رفیقہ حیات تھیں جن کے سر پر ہل اتی کا تاج تھا یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

تیسری نسبت سیدہ کو یہ حاصل تھی کہ آپ محبت و صداقت کے مرکز حضرت حسینؓ کی مادر محترم تھیں۔

آپ صبر و رضا کے سرمایہ کا حاصل تھیں اور امت کی ماؤں کے لئے آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ تھی۔

وہ ایسی عبادت گذار تھیں جن کے آنسو بستر سے بے نیاز تھے اور نماز کے دامن کی زینت تھے۔

جبریل ان کے آنسو زمین سے اٹھا کر شبنم کی طرح عرش بریں پر چھڑکتے تھے۔

تاج دار ھل اتی!

تاج دار ھل اتی کا اشارہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف ہے اور سورہ قیامہ آیت (۸) کے شان نزول کے واقعہ کی طرف ہے۔ آیت کریمہ یہ ہے۔

ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیما و اسیراً

یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت کی فطری محبت کے باوجود مسکین اور یتیم اور

قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام رات کھجوروں کے ایک باغ کو پانی دیا اور اس کے عوض کچھ جو حاصل کیے۔

حضرت سیدہ نے اس جو کو پیش کر کے اس کے تین حصے کیے اور ایک حصہ کا حریرا تیار کیا تاکہ گھر والے اپنی بھوک مٹائیں۔ اتنے میں ایک سائل نے دروازہ پر آواز بلند کی، حضرت علی اور حضرت سیدہ نے وہ کھانا اس مسکین کو پہنچا دیا۔

اس کے بعد جو کے آٹے کے تہائی حصہ کا حریرا تیار کیا اور پھر ایک یتیم بچے کے سوال کرنے کی آواز آئی، حضرت علیؓ نے وہ حریرا بھی اس یتیم سائل کو دیدیا، اس کے بعد باقی تہائی کا حریرا تیار کیا اور اس دفعہ بھی بدر کے ایک مشرک قیدیوں میں سے ایک قیدی نے سوال کیا۔ آل نبی نے یہ کھانا بھی اسے دیدیا۔ اس واقعہ پر رسول پاکؐ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر جلالین کی شرح جمل میں یہ شان نزول حضرت عطاء ابن ابی رباح تابعی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے۔

ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو ان کی آل اطہار کی سخاوت و ایثار کے جذبہ سے آگاہ کیا۔ عطاء ابن ابی رباح قریشی حضرت ابن عباس کے مشہور معتبر شاگرد تھے (وفات ۱۱۴)

یہ واقعہ دراصل خدا تعالی کی طرف سے آل محمدؐ کی آزمائش تھی اور اس آزمائش کے واقعہ کو قرآن کریم کے ذریعہ امت توحید کی ہدایت اور آل نبیؐ کی عقیدت کا پیغام بنانا تھا۔

حضرت سیدہؓ پر سلام جنت البقیع میں!

اس عاجز نے بیت اللہ شریف کے حج (۶۱ء) کے موقعہ پر بوہرہ رباط کے ایک کمرہ میں اپنے رفقاء حاجی محمد شفیع تاجر عطر وغیرہ کے ساتھ قیام کیا تھا، میرے

کمرے کے برابر میں ایک شیعہ فیملی ٹھہری ہوئی تھی، اس فیملی کے ایک نوجوان حاجی تو بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرتے مگر ان کے بوڑھے والد حرم شریف میں نماز ادا نہ کرتے۔

میں بقیع میں اہل بقیع پر فاتحہ پڑھتے حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ جس چبوترہ پر حضرت سیدہ حضرت امام حسن اور بعض دوسرے افرد اہل بیت آرام فرما ہیں وہاں شیعہ حاجیوں کا ایک گروپ اپنے معلم کے ساتھ حضرات اہل بیت پر سلام پڑھ رہا ہے، میں بھی وہاں کھڑا تھا۔ عادت کے مطابق یہ شیعہ حاجی بڑی دل سوز آواز میں، آہ وبکاء کے ساتھ سلام پڑھ رہے تھے، ماحول کے اثر سے مجھ پر بھی غیر معمولی رقت طاری ہوئی اور میں حضرت سیدہ کی خدمت میں سلام پیش کر کے قیام گاہ میں واپس آگیا۔

میں نے ترکمان گیٹ کے رفقاء سے کہا کہ میں حضرت سیدہ کی فضیلت پر ایک تقریر کرنی چاہتا ہوں، اسے ٹیپ کرلو، میں نے اس تازہ تاثر کے ساتھ تقریر کی جو میرے رفقاء نے ٹیپ کرلی۔

تقریر کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے پڑوسی شیعہ بزرگ مسجد حرام میں نماز پڑھتے جارہے ہیں مجھے تعجب ہوا، میں نے ان کے صاحبزادے سے پوچھا کیا آپ کے والدؐ کی طبیعت اب ٹھیک ہوگئی ہے جو وہ حرم شریف میں نماز پڑھنے جارہے ہیں۔

ان کے صاحبزادے بولے، جب سے انہوں نے اپنے برابر والے کمرہ سے آپ کی تقریر سنی ہے اس وقت سے ان میں تبدیلی آگئی ہے، تقریر سن کر انہوں نے کہا کیا اہل سنت بھی حضرت فاطمہ اور اہل بیت رسولؐ سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت دلی کے ان مولویؒ کی زبان سے میں نے سنی؟ میں نے کہا، کیوں نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں میں رسول اللہؐ کی محبت نہیں ہے،

پھر اولادرسول کی محبت سے ان کے دل کیسے خالی ہو سکتے ہیں؟

بمبئی میں حضرت سیدہ پر تقریر!

بمبئی میں محرم کا مہینہ سنی شیعہ تصادم کے لئے مشہور رہا ہے، جس زمانہ میں یہ عاجز محرم کے موقعہ پر بمبئی جاتا تھا تو ایک روز یہ واقعہ پیش آیا۔

محرم کی ایک تاریخ کو شیعہ امام باڑہ سے رات کے وقت ایک ماتمی جلوس نکلتا تھا جلوس کے راستہ میں ایک چوراہے پر سنی مسلمانوں کا جلسہ ہوتا تھا، اس روز پولس کو امن قائم رکھنے کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی، پھر بھی کچھ نہ کچھ ناگوار باتیں پیش آجاتی تھیں۔

اس جلسہ میں ایک دن میں بھی مدعو تھا، میں نے صدر جلسہ سے کہا کہ میری تقریر اس وقت رکھوائی جائے جب جلوس اس مقام پر پہنچے۔

میں نے حضرت سیدہؓ کی فضیلت پر تقریر شروع کردی جوانی کا عالم تھا، جوش اور جذبات کی فراوانی کے ساتھ میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ شیعہ جلوس سامنے آگیا دور دور تک لاؤڈ سپیکر نصب تھے۔

اہل جلوس اس جگہ آکر کھڑے ہوگئے، اہل جلوس کے تاثرات دیکھ کر انتظامی افسران حیرت کر رہے تھے کہ جلوس کا ہر شریک عقیدت سے سر جھکائے آبدیدہ آنکھوں کے ساتھ تقریر سن رہا ہے۔

میں نے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی تقریر مختصر کردی اور اس کے بعد جلوس آگے بڑھا۔

اب تک تصادم کے اس نازک موقعہ پر اہل سنت علماء اشتعال انگیز تقریریں کرتے تھے جس سے تصادم ناگزیر تھا۔

اولادِ سیدۂ کبریٰ کا آخری امتحان

سیدہ کبریٰ کی بڑی لختِ جگر زینب رضی اللہ عنہا اور دوسری سیدانیوں نے زندگی کے آخری امتحان میں صبر واستقامت اور شرافت وسیادت کے لئے مثالی کردار کا مظاہرہ آخری امتحان گاہ (میدان کربلا) میں جس طرح کیا، اس کے تذکرہ کے بغیر بنات رسول ﷺ کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔

اس لئے یہ ادنیٰ غلام نبی محترم اور آل اطہار (اخلاق حسین) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہا کی شہادت اور اس قیامت صغریٰ کے بعد قابل صد احترام سیدانیوں پر جو گذری اسے شامل تذکرہ کر رہا ہے۔

شہادت حسینؓ صداقت حسینؓ!

کربلا کا حادثہ تاریخ صداقت و حقانیت کا وہ منفرد حادثہ ہے جسے بجا طور پر صداقت کے پرستار چودہ برس سے خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں اور قیامت تک پیش کرتے رہیں گے۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس لئے بھی کہ حسین نبیؐ کی فطری محبت اور علیؓ کی وہبی ولایت اور سیدۂ کبریٰ کی بے مثال قناعت کے پروردہ تھے۔

ذاتی کمالاتِ علم و تقویٰ کا مثالی نمونہ اور غیرت حق کے جذبۂ صادق پر نبوی بشارت کا مظہر تھے۔

اور سب سے بڑھ کر اس لئے بھی کہ زندگی کی سخت ترین آزمائش میں حسینؓ کا قدم راہِ حق اور اصول دین سے ذرہ برابر ادھر سے اُدھر نہیں ہوا۔

حسینؓ نے اپنی اور اپنے مقدس خانوادہ کی جان بچانے کے لئے معمولی سے

معمولی سیاست کاری سے بھی کام نہیں لیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ انسانیت نے جس قدر آنسو حسینؓ ابن علیؓ کی مظلومیت پر بہائے ہیں اتنے آنسو کسی حادثہ پر نہیں بہائے گئے۔

حسینؓ اگر سیاسی اقتدار کے لئے گھر سے نکلے تھے تو انہیں کئی بار ایسا موقع ملا کہ وہ سیاسی مصلحت سے کام لے کر دشمنوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے تھے۔ مگر حسینؓ نے اسے گوارا نہیں کیا۔

حضرت حسین نے کوئی اجتہادی غلطی نہیں کی۔ حسینؓ کی راہ عزیمت وغیرت کی راہ تھی۔

وہ رخصت کی راہ اختیار کر کے یزیدی اقتدار کے سامنے سر جھکا سکتے تھے لیکن ان کا دلِ حق پرست ہر قسم کی خواہش عزوجاہ سے خالی تھا وہ فقر واستغنا کی سلطنت کے تاجدار تھے۔

حاجت سے مجبور مردان آزاد
کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

عزیمت کی راہ!

عزیمت کی راہ جنگ وپیکار کی راہ نہیں ہے حسینؓ کے نانا نے ان کا نام حرب (جنگ جو) رکھنا پسند نہیں کیا جب کہ ان کے والد حیدر کرار اپنے مزاج حیدری کے مطابق ان کا نام حرب رکھنا چاہتے تھے۔

وہ حسینؓ ابن رسولؐ تھے، یزید کی جبری بیعت سے امت کے اندر جو خانہ جنگی شروع ہو چکی تھی وہ اسے دور کرنے گھر سے نکلے تھے۔ اسلام کی دعوت صلح وامن کا پیغام ہے، جنگ وپیکار سے اسلام کو نفرت ہے۔

واللہ لا یحب الفساد (بقرہ ۲۰۵)

حسین ابن علیؓ نے یزید کے ساتھ براہ راست بات چیت کرنی چاہی تاکہ امت کے اندر اتحاد و تعاون کی فضا واپس آئے مگر یزید کی جبری سلطنت کی آڑ میں جو فوجی افسر قوم کی دولت سے رنگ رلیاں منا رہے تھے انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں حسینؓ ابن علیؓ کی روحانیت اور معقولیت سے یزید مغلوب نہ ہو جائے۔ اس لئے اس عیش پرست فوجی ٹولے نے امام محترم کو یزید سے ملنے نہیں دیا اور انہیں گھیر کر قتل کرنے کا تہیہ کر لیا۔

اس عراقی اور شامی فوجی ٹولہ کو یہ بھی اندیشہ ہو سکتا تھا کہ کہیں ایک ہی خاندان (قریش) کے دو رہنما آمنے سامنے بیٹھ کر کوئی ایسی صلح نہ کر لیں جو ان کے جد امجد نے حدیبیہ کے موقع پر کی تھی یا سیدنا حسینؓ کے بڑے بھائی سیدنا حسنؓ نے امیر معاویہ کے ساتھ کی تھی۔

مجہول النسب فوجی افسر ابن زیاد اور عہدوں کے لالچی چند قریشی فوجیوں کے علاوہ عراق و شام کے افسران کی پوری طاقت جنگ وجدل کی آگ بھڑکانے میں دلچسپی رکھتی تھی۔ حسینؓ ابن علیؓ اپنے تمام ساتھیوں اور عزیزوں کی شہادت کے بعد جب تن تنہا ظلم کا دفاع کر رہے تھے تو اس وقت ان کے سر پر صرف عمامہ اور جسم پر صرف ایک کرتہ تھا اگر وہ جنگ و پیکار کے لئے نکلتے تو ان کے ہاتھ میں علیؓ کی ذوالفقار ہوتی، حیدر کی وہ آہنی زرہ ہوتی جو بدر، احد اور خیبر میں ان کے بہادر جسم پر تھی یہ تمام جنگی سامان ان کے ورثہ میں آیا تھا اور گھر پر موجود تھا۔

اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر حال میں صلح و امن اور تعاون و تفہیم سے کام لیا جائے اور جب دشمن جبر و تشدد کا فیصلہ کر کے امن کے پیغام کو ٹھکرا دے اور حملہ آور ہو جائے تو پھر جس طرح بھی ہو اس کا دفاع کیا جائے خود کو سر جھکا کر قتل کرانا خودکشی ہے۔ دفاع کرتے ہوئے جان دیدینا شہادت ہے۔

یہ تعلیم حسین ابن علیؓ کے ساتھ تھی اسی صداقت کا جوش اور اپنے موقف

امن پر اعتماد ان کی اصلی قوت تھی ۔

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشک رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا غم کیا ہے

ان کے مخلص ملنے والے انہیں دشمن کی طاقت اور سفاکی سے باخبر کر رہے تھے اور ان کے کمزور و ناتواں قافلہ کو خونخوار دشمن کے حوالے کرنے کے خطرہ سے ہوشیار کر رہے تھے لیکن ۔

ہر چند پیر وخستہ دلِ ناتواں شدم
ہر گہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

اصول پسندی!

حسینؓ اور آل حسین کی جاں گسل آزمائشوں میں اصول دین پر قائم رہنے کے یہی وہ واقعات ہیں جن کا اظہار حسینؓ کو مقصود تھا۔

وہ خیر امت کی طرف بڑھتے ہوئے اندھیرے میں روشنی کے وہ مینار قائم کرنا چاہتے تھے جو اس امت کو ظلم و ستم کے طوفان میں اخلاقی سہارا دے سکیں ۔

کبھی کا کاروانِ کیف و مستی لٹ چکا ہوتا......
یہاں سب سو رہے ہیں ایک تو بیدار ہے ساقی

دشمن پر اچانک حملہ!

حضرت امام کے قاصد مسلم ابن عقیل جب اہل کوفہ کی بدعہدی کے سبب تنہا رہ گئے اور عبید اللہ ابن زیاد نے آپ کو گرفتار کرنے کے سخت احکامات جاری کر دیئے تو آپ نے ایک کوفی سردار طوعہ کے مکان میں پناہ لے لی۔ پناہ کے دوران ایک دن یزیدی حکومت کا یہ نہایت خونخوار صفت گورنر طوعہ کے مکان پر اپنے ایک بصری دوست (شریک) کی عیادت کیلئے آیا جو طوعہ کے مکان میں مقیم تھا۔

یہ بصری سردار حضرت امام کے معتقدین میں تھا اس نے حضرت مسلم کو ابن زیاد کے آنے کی خبر دی اور یہ مشورہ دیا کہ مسلم اس موقع سے سیاسی فائدہ اٹھائیں اور جب ابن زیاد یہاں آئے تو اس پر اچانک قاتلانہ حملہ کر کے اسے ختم کر دیں۔ تاکہ یزید کے اس مکروہ نسب اور مکروہ فطرت گورنر سے کوفہ کو نجات مل جائے اور سیدنا حسینؓ کے قاصد کے قتل کا خطرہ ٹل جائے۔

ان خوفناک حالات میں آل نبیؐ پر نازل ہونے والے حوادث کو روکنے کی اس کے علاوہ کوئی تدبیر نہیں تھی لیکن ابن زیاد آیا اور چلا گیا اور مسلم ابن عقیلؓ اس ظالم کو ہلاک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ شریک نے مسلم کو بزدلی کا طعنہ دیا لیکن مسلم نے جواب دیا۔

''میں جب ابن زیاد پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو میرے عم محترم (رسول پاکؐ) کا یہ فرمان مجھے روک دیتا تھا کہ'': مومن اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہیں کرتا۔

مسلم ابن عقیل رسول پاک ﷺ کے چچازاد بھائی عقیل ابن ابی طالب کے لڑکے تھے۔

آج جن نام نہاد و مجاہدین نے اغوا کرنے اور اچانک حملہ کر کے بے قصور لوگوں کو ہلاک کرنے کا نام جہاد رکھا ہوا ہے کیا وہ اس اسوۂ حسنہ پر غور کریں گے اور کیا ان مفسدین کو اس غیر اسلامی ظالمانہ طریقوں سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟

قاضی شریح کی سچائی!

ابن زیاد کے مخبروں نے اسے خبر دے دی کہ مسلم ابن عقیل طوعہ کے مکان میں پناہ گزیں ہیں۔

طوعہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ شہر میں افواہ پھیل گئی کہ طوعہ جیسا بااثر سردار قتل کر دیا گیا سارا شہر ابن زیاد کے محل پر ٹوٹ پڑا۔ یہ گھبرا گیا اور قاضی شریح کو بلوا کر ان سے کام لیا اور مجمع میں اعلان کرایا کہ طوعہ زندہ ہے۔ قاضی صاحب نے جو کچھ

آنکھوں سے دیکھا تھا وہ بیان کر دیا اور قاضی صاحب پر اطمینان کر کے مجمع واپس چلا گیا۔

ابن زیاد کی سازش کامیاب ہو گئی، ابن زیاد نے پھر اہل کوفہ کو خوف زدہ کیا، لالچی لوگوں کے ضمیر کو خریدا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مسلم ابن عقیل کو قتل کر کے ان کی لاش کو لٹکانے کا حکم دیدیا۔

قاضی شریح کی جگہ کوئی ہوشیار اور چالاک شخص ہوتا تو وہ ابن زیاد کے کہنے میں نہ آتا، حالات کا رخ دیکھتا آنے والے خطرات کی سنگینی کو سمجھتا اور مشتعل مجمع کو جوش دلا کر ابن زیاد کا خاتمہ کرا دیتا۔

قاضی شریح کو تاریخ امن کا ہیرو قرار دیتی، بنی امیہ قاضی صاحب کے اس احسان کو فراموش نہ کرتے کیونکہ ان کا دامن جگر گوشۂ رسول اور آلِ محمدؐ کے معصوم خون سے داغ دار نہ ہوتا۔

لیکن حضرت علیؓ کے ایک تربیت یافتہ شاگرد سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی مصلحت سے بھی اظہار واقعہ سے گریز کرے۔

آخر حضرت علیؓ کے ساتھ صفین کی جنگ میں جو دھوکہ ہوا حضرت علیؓ نے ایک سیدھے سچے مومن کی طرح اسے ایک سیدھا واقعہ سمجھا اور جیتی ہوئی لڑائی ہار گئے۔ مگر اس سیاسی ہار میں حیدر کرار کی اخلاقی فتح مضمر تھی۔

حضرت حسینؓ اور حر ابن یزید!

حضرت امام اپنے مٹھی بھر خانوادہ کو ساتھ لئے ہوئے مشیت الٰہی کی پکار پر چلے جا رہے تھے کہ ابن زیاد نے حر ابن یزید کی کمان میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا تاکہ وہ اس قافلہ کو گھیر گھار کر کربلا لے آئے۔

اسے خطرہ تھا کہ حسینؓ اپنے قاصد کے قتل کی خبر سنکر کہیں واپس نہ ہو جائیں اور اس کے ہاتھ سے شکار نکل جائے۔ اس فوجی دستہ نے اس قافلہ کو

گھیر لیا، حضرت امام نے ان لوگوں کی پریشانی کو دیکھ کر ان سے کہا "تم لوگ بے فکر رہو آرام کی نیند سوؤ میں تمہیں دھوکہ دے کر رہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔"

امام کے پرجوش بھائیوں اور ساتھیوں نے عرض کیا۔ اے محترم قائد! حالات خراب ہیں، ان مٹھی بھر فوجیوں سے مقابلہ کر کے واپس چلنا قرین دانش مندی ہے

حضرت امام نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا، حسین حر کو زبان دے چکا ہے وہ اسے دھوکا نہیں دے گا۔

یقیناً اس بد عہدی سے سیدنا امام اپنی اور اپنے خانوادہ کی جان بچا لیتے لیکن تاریخ میں ہمیشہ بد عہدی اور عہد شکنی کرنے والوں کی فہرست میں ان کا نام سب سے اوپر ہوتا۔

حسین اپنے شیر خوار، جوان اور بیمار بچوں اور بہن بھانجیوں کے خانوادہ کے ساتھ جس انجام کی طرف جا رہے تھے وہ مسلم ابن عقیل اور ان کے شہید بچوں کے انجام سے مختلف نہیں تھا۔ لیکن وہ صبر و رضا کے آخری امتحان کیلئے تیاری کر چکے تھے تاکہ پھر اس کے بعد امتحان کی کوئی منزل باقی نہ رہے۔

گذر جا منزل صبر و رضا سے بے نیازانہ
پھر اس کے بعد کوئی امتحاں باقی نہیں رہتا

طرماح ابن عدی کی درخواست!

آل نبی کا قافلہ اب منزل کے بالکل قریب تھا، اتفاق سے قبیلہ طے کے سردار طرماح ابن عدی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ادھر آ نکلے اور کچھ لوگوں کو ایک پڑاؤ پر دیکھ کر ٹھہر گئے، قریب آ کر دیکھا تو امام حسین آل نبوت کے ساتھ مقیم ہیں۔ یہ کربلا کے صحرا میں مسلح فوجیوں کا ایک جم غفیر دیکھ چکے تھے، حسینؓ ابن علیؓ نے سارا واقعہ سنایا، طرماح نے درخواست کی آپ کربلا کی طرف جانے کا

ارادہ ترک کردیں۔ اور حر کے ساتھیوں کا مقابلہ کر کے میرے ساتھ میرے قبیلہ میں تشریف لے چلیں، میرے پاس کئی ہزار جوانوں کا جتھا ہے اگر آپ کو ابن زیاد کا مقابلہ کرنا ہی ہے تو پھر ان جوانوں کو ساتھ لے کر جائیے۔

طرماح مشہور عیسائی سردار حاتم طائی کے پوتے تھے۔ ان کی پھوپی سفانہ جب قبیلہ طے کے جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آئیں اور حضور کو ان کے آنے کا علم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لائے آپ نے انہیں ننگے سر دیکھ کر اپنی چادر مبارک ان کے سر پر ڈال دی اور انہیں ان کی خواہش کے مطابق ان کے مفرور بھائی عدی کے پاس ملک شام روانہ کر دیا۔ بہن نے بھائی کو حضورؐ کے بارے میں یہ بتایا۔ "میں نے محمد رسول ﷺ جیسا شریف سردار نہیں دیکھا۔ بھائی تم ان سے خیر کی امید رکھو۔ پھر حضورؐ کے اخلاق کریمانہ کے حالات سنکر عدی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

حاتم طائی کے خاندان میں حضورؐ کے رحم و کرم کی داستان عام تھیں۔ طرماح چاہتے تھے کہ نانا جان کے احسانات کا بدلہ ان کے نواسے کے ساتھ کچھ نہ کچھ تو چکا دیا جائے لیکن حسینؓ ابن علیؓ زبان دے کر پھر جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور طرماح افسوس کرتے ہوئے چلے گئے۔

اپنے قبیلہ میں جا کر طرماح نے سارے حالات سنائے اور اپنے طائی جوانوں کا لشکر لے کر کوفہ پہنچے مگر اس وقت تک قضائے الٰہی اپنا کام پورا کر چکی تھی۔

پیکانِ ترا بجان خریدار
من مرہم دیگراں نخواہم

حوصلہ چاہئے انجام آنکھوں کے سامنے تھا۔ بچوں اور سیدانیوں کا ساتھ تھا اپنے لئے نہ سہی اپنے نانا جان کی نسل باقی رکھنے کی خاطر کوئی نہ کوئی سیاسی تدبیر قبول کر کے واپس تشریف لے جاتے مگر ایسا نہ کیا۔

استقامت کی کرامت!

حسین ابن علیؑ نے حر ابن یزید کے ساتھ کیے گئے عہد کو نبھایا اور پھر اس کی قیمت یہ وصول کی کہ کربلا کے میدان میں حر ابن یزید جیسے لشکر یزید کے وفادار سپاہی کو اپنی صداقت کا نشان بنا کر دشمنوں کے سامنے پیش کیا۔

حر ابن یزید نے جب یہ دیکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ کا روئے روشن آفتاب صداقت کی طرح چمک رہا ہے۔ صحرائے کرب وبلا کا گرد وغبار اور مصائب کی کالی گھٹائیں بھی ابن رسولؐ کے روئے روشن کے لئے حجاب نہیں بن سکی ہیں اور دوسری طرف ضلالت ونفسانیت اور عداوت وشقاوت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں تو حر ابن یزید ابن سعد کی صفوں سے نکل کر حسین ابن علیؑ کے قدموں پر آ کر گر پڑا۔

جس کی سنگ دلی قافلہ حسین کو گھیر کر ستم شعاروں کی تلواروں کے آگے لے آئی وہ ایک لمحہ میں بدل گیا ؎

سیاہ کار تھے باصفا ہو گئے
تیرے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے

توفیق الٰہی اگر پہلے ہی ساتھ دیدیتی تو اس حادثہ کی نوبت نہ آتی مگر مشیت الٰہی کو جو منظور تھا اس کے خلاف کیسے ہو سکتا تھا۔

حر ابن یزید نے نبوت وولایت اور سیادتِ سیدہ کبریٰ کے پروردہ اس بابرکت قافلہ کے ساتھ جو ساعتیں گزاری تھیں وہ بے اثر نہیں جا سکتی تھیں مگر اس اثر کا ظہور مشیت الٰہی کے تابع تھا اور مشیت اپنی قدرت وبے نیازی کا اظہار اپنی محبوب ہستیوں کی مظلومیت کی صورت میں دنیا کی عبرت کے لئے پیش کرنا چاہتی تھی۔

امیر خسرو کہتے ہیں ۔

بر در بے نیازیت صد چو حسینؓ کربلا

تشنہ بماند بر گزر آب زلال کے رسد

حرنے بنی ہاشم کے بہادروں کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا اور داد شجاعت دیتے ہوئے علی اکبر اور عباس و قاسم کے پہلو میں ابدی نیند سو گئے تاکہ قیامت کے دن آل محمدؐ کے انہی تاجداروں کے ساتھ سرخرو ہو کر اٹھیں۔

عشرہ کی قیامت!

عاشورہ کا دن ہم سب کے لئے غم کا دن ہے کیونکہ آج کے دن جو قیامت صغریٰ قائم ہوئی اس نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مغموم و محزون کر دیا تھا۔

حضرت سلمیٰ جو حضرت ابراہیم کی رضاعی ماں تھیں اور حضور کے خادم خاص حضرت ابو رافع کی اہلیہ تھیں وہ کہتی ہیں۔

"میں حضور کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمیٰ سے ملنے گئی تو میں نے دیکھا کہ ام سلمیٰ رو رہی تھیں میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا۔"

"میں نے ابھی حضور کو خواب میں دیکھا، آپ کے چہرہ اور ڈاڑھی پر غبار پڑا ہوا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی۔"

مالك يا رسول الله؟ قال شهدت قتل الحسين آنفاً یہ کیا حال ہے حضور! آپ نے فرمایا -- میں حسین کے قتل کے وقت حاضر تھا۔ میں حسین کو شہادت کے وقت دیکھ رہا تھا۔ یہ اسی کا غم ہے۔ (مشکوٰۃ ۵۷۲ ترمذی)

شاہ عبد العزیزؒ کی طرف غلط انتساب!

ایک طبقہ حضرت امام حسینؓ کی قربانی کو حضرت اسماعیل کی قربانی کی تکمیل قرار دیتا ہے اور اسی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی تکمیل کا واقعہ

بھی قرار دیتا ہے، لیکن یہ دونوں نظریئے غلو محبت کی پیداوار ہیں، حقیقت سے ان نظریات کا کوئی تعلق نہیں۔

خلیل اللہ کی آزمائش!

خلیل اللہ کی یہ بڑی آزمائش تھی جس میں وہ کامیاب ہوئے کہ انہوں نے برضاورغبت اپنے لخت جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا اور حبیب خدا کی یہ اس سے بڑی آزمائش تھیں جس میں آپ کامیاب ہوئے کہ آپ نے برضاورغبت الہام الٰہی سے آگاہی پانے کے بعد اپنے لخت جگر کو رضائے حق پر قربان کر دیا۔

حکیم مشرق علامہ اقبال نے اسماعیل اور حسین کی قربانیوں کے درمیان اجمال و تفصیل کا تعلق قائم کیا ہے ؎

سرّ آں ابراہیم واسماعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

حضرت اسماعیل کی قربانی کی تکمیل قربانی سے ؟!اس نظریہ کو اقبال نے تسلیم نہیں کیا۔

کمالات نبوت کی تکمیل کا نظریہ!

بعض لوگوں نے سر الشہادتین کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اسے شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اس میں یہ ثابت کیا دونوں نواسوں کی شہادت (امام حسن کی شہادت خفی اور امام حسین کی شہادت جلی) آپ کے نانا جان کے مراتب میں تکمیل کا سامان تھی کیونکہ رسول پاک ﷺ کو خدا تعالیٰ نے شہادت کے مرتبہ سے بہرہ مند نہیں کیا تاکہ آپ کی شہادت سے دین حق کی شوکت میں فرق نہ آئے۔

یہ تصور شاہ عبدالعزیز جیسے محدث وقت کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

جامع مسجد دہلی کے جلسہ عشرہ محرم میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے شاہ صاحب کی سر الشہادتین کے اس تصور پر تقریر کی اور اسے ایک واعظانہ لطیفہ کہا۔

اس ناچیز کو مولانا کے بعد تقریر کرنی تھی، اس تقریر میں خاکسار نے اس تصور کی تردید کی، حضرت مولانا تشریف فرما تھے۔ لیکن آپ نے خاموشی سے یہ تردید سماعت فرمائی۔

تقریر کے بعد کسی موقعہ پر اپنی تقریر کے خلاف اظہار رائے پر اس ناچیز سے کچھ نہیں فرمایا، یہ سکوت مولانا کی طرف سے اس تردید کا اعتراف تھا حقیقت یہ ہے شہادت حسنین رسول اعظمؐ کے مراتب کی تکمیل نہیں بلکہ تزئین کی حیثیت رکھتی ہے۔

نانا جان کے مراتب ایک مکمل و کامل پیغمبر کے مراتب تھے، البتہ محبوب نواسوں کی شہادت کا حسن و جمال نانا جان کے کمالات کے لئے مزید زینت و حسن کا سامان بن گیا۔

اولاد کے مراتب کمال سے ماں باپ کو فطری طور پر خوشی ہوتی ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کے حسن و کمال پر فخر کرتے ہیں۔

سر الشہادتین عربی میں ہے۔ اس کا ترجمہ شاہ صاحب کے شاگرد مولانا خرم علی بلہوی نے کیا اور دوسرے شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی نے تحریر الشہادتین کے نام سے اس کتاب کی شرح لکھی، لیکن خاندان ولی اللہی کے علوم و نظریات پر محققانہ نظر رکھنے والے اہل قلم اصل کتاب ہی کو جعلی اور فرضی قرار دیا۔

شب عاشورہ!

جمعرات کا دن گذرنے کے بعد عاشورہ کی وہ بھیانک اور تاریک رات نمودار ہوئی جس کی صبح کو میدانِ کربلا میں قیامت بپا ہونے والی تھی درمیان میں صرف ایک ہی رات رہ گئی تھی جس میں حضرت حسینؓ کو ایک طرف حجلۂ عبادت میں جمالِ حقیقت کے ساتھ راز و نیاز کرنا تھا، اور دوسری طرف اس کی راہ میں جان دینے کے لئے تیاریاں کرنی تھیں، اس لئے آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کرا کے ان کی پشت پر خندق کھدوا کے آگ جلوادی کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہتھیاروں کی صفائی کرائی، جس وقت آپ کی تلوار صاف کی جارہی تھی، اس وقت آپ نے چند عبرتناک اشعار پڑھے، آپ کی جان نثار بہن حضرت زینبؓ کو ان انتظامات سے ہونے والے واقعات کا کچھ اندازہ ہو گیا، خصوصاً بھائی کی تلوار کی درستی دیکھ کر اور زبان سے بار بار عبرت آمیز اشعار سنکر انھیں یقین ہو گیا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، ایسے موقعہ پر اور ایسے حالات میں اگر مرد ہوتا تو کلیجہ پانی ہو جاتا، زینب تو عورت تھیں اور پھر بھائی کی فدائی، ناز و نعمت سے پلی ہوئی، آنے والی مصیبت کے تخیل اور محبوب بھائی کی جان خطرہ میں دیکھ کر بے اختیار ہو گئیں، حضرت حسینؓ کے پاس بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں، اور چیخ چیخ کر رونے اور بین کرنے لگیں "کاش آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی، ہائے میری ماں فاطمہؓ، میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، بھیا! ان گذرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اور ہمارا سہارا تمہیں ہو بہن کو اس طرح آپے سے باہر دیکھ کر اسد اللہ کے شیر دل بیٹے نے غضب آلود نظریں ڈالیں، اور کہا بہن حلم و وقار کو شیطان کے حوالہ نہ کرو، لیکن یہ وقت وقار و سکینہ کا نہ تھا، زینب بولیں "بھائی میں آپ پر سے قربان میں آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی

ہوں" بہن کی یہ دلدوز اور محبت بھری باتیں سنکر بھائی کا دل بھی موم ہو گیا، اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فرمایا "زینبؓ ذار چین سے رہنے دو، یہ جواب سنکر زینبؓ نے منھ پیٹ لیا، اور دھاڑیں مار کر رونے لگیں، کہ آپ کا اپنے کو مجھ سے الگ الگ رکھنا میرے دل کے ٹکڑے اڑائے دیتا ہے" یہ کہا اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئیں، حضرت حسینؓ نے منھ پر پانی کے چھینٹے دیئے، جب ہوش آیا تو صبر کی تلقین کی کہ "زینبؓ خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو، ایک دن سارے روئے زمین کے باشندے مر جائیں گے آسمان والوں میں بھی کوئی باقی نہ رہے گا، آسمان وزمین کی تمام چیزیں فانی ہیں صرف ایک خدا کی ذات باقی رہے گی، میری ماں میرے باپ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے، اور ہر مسلمان کے لئے رسول ﷺ کی ذات نمونہ ہے، تم اسی سے صبر و تسلی حاصل کرو، میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ اگر میں مر جاؤں تو اسوۂ رسول کے خلاف نہ کرنا، میری موت پر گریباں نہ پھاڑنا، منھ نہ نوچنا اور نوحہ کرنا" بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین کر کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حفاظت کے ضروری انتظامات کر کے صبح صادق تک سب لوگ نماز دعا، استغفار اور تضرع وزاری میں مصروف رہے۔

یزید کے گھر میں حسینؓ کا ماتم اور زین العابدین کے ساتھ برتاؤ!

یزید نے اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا میں ٹھہرانے کا حکم دیا، یزید خود حضرت حسین کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتیں بھی عزیز تھیں، اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانخانہ میں داخل ہوتے ہی یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا، اور ساری عورتوں نے نوحہ کیا، تین دن تک کامل یزید کے گھر میں ماتم بپا رہا اس دوران میں یزید برابر زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بلا کر کھانا کھلاتا تھا۔

نقصان مال کی تلافی اور سکینہ کی منت پذیری!

یاد ہو گا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شامی وحشیوں نے اہل بیت نبوی کا کل ساز و سامان لوٹ لیا تھا اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے واپس نہ کیا تھا، یزید نے اس کی پوری تلافی کی اور تمام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر جن جن کا جس قدر مال و متاع گیا تھا، اس کا دونا مال دلوایا، سکینہ بنت حسینؓ اس کی اس تلافی مافات سے بہت متاثر ہوئیں، چنانچہ وہ کہتی تھیں کہ میں نے باغیانِ خدا میں یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔

اگر میری اولاد بھی کام آجاتی تو حسینؓ کو بچاتا اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ!

چند دن قیام کرنے کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھجوانا چاہا اور سب کو بلا کو زین العابدینؒ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو حسینؓ جو کچھ کہتے میں مان لیتا، اور ان کی جان بچانے کی پوری کوشش کرتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی، لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی، بہر حال جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً مجھے لکھنا۔

شام سے اہل بیت کی مدینہ روانگی اور اس کیلئے انتظامات

نعمان بن بشیر کو حکم دیا گیا کہ اہل بیت کی ضروریات کا کل سامان مہیا کیا جائے اور چند دیانتدار اور نیک شامیوں کے ساتھ انہیں رخصت کیا جائے اور حفاظت کے لئے مدینہ تک سواروں کا دستہ ساتھ جائے اس حکم پر فوراً تمام ضروری سامان مہیا کیا گیا اور یزید نے انہیں رخصت کیا جو لوگ حفاظت کے لئے

ساتھ کئے گئے تھے، انھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوتے تھے، جہاں قافلہ منزل کرتا تھا، یہ لوگ پردہ کے خیال سے الگ ہٹ جاتے تھے، اسی حفاظت اور لطف ومدارات کے ساتھ قافلہ کو مدینہ پہنچایا، مخدراتِ اہل بیت شریف اور منت پذیر دل ان محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے اپنے کنگن اور بازو بند اتار کر شکرانہ کے طور پر بھیجے اور زبانی کہلایا کہ اس وقت ہم معذور ہیں اسی قدر معاوضہ دے سکتے ہیں، لیکن نعمان بن بشیر نے اس کو واپس کر دیا، اور کہا اگر ہم نے دنیاوی منفعت کے لئے یہ خدمت کی ہوتی تو یہ چیزیں معاوضہ ہو سکتی تھیں لیکن خدا کی قسم ہم نے جو کچھ کیا وہ خالصۃً اللہ اور رسول اللہ کی قرابت کے خیال سے کیا ہے۔

صوفیائے چشت میں سلطان المشائخ علیہ الرحمہ تفسیر قرآن کریم، احادیثِ نبوی اور فقہ و تصوف کے علوم و معارف کا جو محققانہ ذوق اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہیں وہ اہلِ علم اور اہلِ تصوف سے پوشیدہ نہیں۔

شیخ علیہ الرحمہ نے حضراتِ صوفیاء کے معمول کے مطابق (۱۸۸) مجلسوں میں تصوف و احسان کے مضامینِ عالیہ کو تفسیر و حدیث اور فقہ کے علوم شریعت کی روشنی میں بڑے دلکش انداز میں سمجھایا ہے اور آپ کے صاحبِ علم و فضل مرید شیخ حسن علاء سجزی نے "فوائد الفواد" کے نام سے انہیں مرتب کیا ہے۔

ملفوظات اولیاء کرام میں شیخ علیہ الرحمہ کے ملفوظات کو سب سے زیادہ مستند اور معتبر تسلیم کیا گیا ہے اور حقائق شریعت و تصوف کی جامعیت کے لحاظ سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس مجموعۂ ملفوظات کو مشائخِ چشت کا دستور العمل قرار دیا ہے۔

مفسرِ قرآن

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

نے سات سو برس کے بعد شریعت و تصوف کی اس مَرَجَ البحرین کتاب کی تشریح و تحقیق کا حق ادا کیا ہے

زینت، زیور اور عورت

جسمانی جمال کی خواہش عورت کی فطرت ہے، اسی معنی میں یہ عورت کی کمزوری ہے۔
قرآن کریم نے فرشتوں کے بارے میں مشرکینِ عرب کے اس تصور کی تردید کی کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور کہا۔

اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ (زخرف ۱۸)

یعنی وہ صنفِ نازک جو زیورات کے اندر پلتی ہے اور ناز و نعم میں پروان چڑھتی ہے اور بحث و مباحثہ میں جذباتی ہوجاتی ہے، جھگڑے میں اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھتی اس مخلوق (عورت) کو یہ خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور لڑکے اپنے لئے پسند کرتے ہیں، کیوں کہ لڑکے بہادر ہوتے ہیں اور لڑائیوں میں ان کے کام آتے ہیں۔

اس تشبیہ میں عورت اور مرد کے درمیان نفسیاتی فرق بیان کیا گیا ہے۔
بعض علماء مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں عورت کی طرف جسمانی اور باطنی (عقلی) نقصان اور کمی کو منسوب کیا ہے اور اس آیت کے ساتھ عرب جاہلیت کے اقوال سے استدلال کیا ہے۔

عرب شاعر کہتا ہے۔

وما الحلی الا زینة من نقیصه

یتمم من حسن اذا الحسن قصرا

واما اذا کان الجمال موفرا

کحسنک لم یحتج الی ان یزورا

عورت کے حسن و جمال کی کمی کو زیور سے دُور کیا جاتا ہے، لیکن اے میری محبوبہ! تیرا حسن و جمال تو مکمل ہے، تجھے زیور کی ضرورت نہیں۔

ظاہر ہے کہ شاعر اپنی محبوبہ کے بارے میں کہہ رہا ہے، کوئی کلیہ اور عام اصول بیان نہیں کر رہا، لیکن مفسر (ابن کثیر) نے شاعر کے اس قول کو ایک کلی اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔

پھر مشاہدہ فطرت یہ بتاتا ہے کہ نوع انسانی میں مرد کے مقابلہ میں مجموعی طور پر عورت زیادہ صاحبِ حُسن و جمال ہے اور اس کا جمال زیور کا محتاج نہیں ہے، البتہ زیور سے اس کے حسن و جمال کی افزائش کا تعلق ہے۔

ابن کثیر نے ایک عربی مقولہ یہ نقل کیا ہے۔

قَدْ بُشِّرَ بِبِنْتٍ مَاهِیَ بِنِعْمَ الْوَلَد، نَصْرُهَا بُکَاءٌ وَبِرُّهَا سَرِقَة (جلد ۴ صفحہ ۱۲۵)

اسے بیٹی کی خوش خبری دی گئی اور بیٹی کوئی اچھی اولاد نہیں ہے، لڑکی کی مدد کرنا زندگی بھر کا رونا ہے اور اس کے ساتھ احسان کرنا قوم کی چوری کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو پالنا پوسنا اور پھر اس کی شادی کرنا زندگی بھر رونے کا سبب ہے اور قومی رواج (زندہ دفن کرنا) کے خلاف اس کو زندہ رکھنا اور اس پر احسان کرنا یہ قوم کی چوری ہے۔

یہ عرب جاہلیت کا تصور ہے ــــ اسلام کا تصور یہ ہے۔

خَیْرُ مَتَاعِ الدنیا المرأۃ الصالحۃ

دین کا بہترین مال و متاع وہ عورت ہے جو نیک چلن ہو۔

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰث، اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ

میرے نزدیک تمھاری دنیا کی صرف تین چیزیں محبوب و پسندیدہ ہیں، ایک خوشبو، دوسری چیز عورتیں جو بہت مظلوم ہیں اور تیسری چیز نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

وہ حدیث جس میں حضورؐ نے عورتوں کے لئے ناقصاتِ عقل و دین کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث (بخاری جلد اوّل کتاب الاستحاضہ) میں عورتوں

کو ناقصاتِ عقل و دین قرار دیا ہے یعنی ان کی عقل اور ان کا دین ناقص ہے۔

پھر آپؐ نے اس کی دلیل میں فرمایا۔

ایک عورت کی گواہی ایک مرد کی گواہی سے آدھی ہے یعنی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوتی ہے۔ یہ ہے نقصانِ عقل —— اور حالتِ حیض میں عورت پر نماز معاف ہے اور نہ روزہ رکھنے کی اجازت ہے البتہ روزہ کی قضا ضروری ہے، یہ نقصانِ دین ہے۔

نقصانِ دین یعنی بعض عبادات کی کمی چوں کہ عورت کے فطری حالات سے تعلق رکھتی ہے، عورت کے قصد و ارادہ سے تعلق نہیں رکھتی اس لئے عبادات کے اجر و ثواب میں مجموعی حیثیت سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیوں کہ بعض عبادات عورت کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ عبادات ہیں، ایک بچّہ کی پرورش (حمل سے لے کر رضاعت تک) اور اس کی تربیت کے تمام مراحل —— قُرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ۔ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ، إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان ۱۴)

اور ہم نے انسان کو تاکید کی ہے ان کے ماں باپ کے بارے میں —— اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا، تھک تھک کر، کمزوریاں برداشت کر کے، —— اور دو سال دودھ پلایا، —— تاکید اس بات کی کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرے۔ اسے میری ہی طرف واپس آنا ہے۔

اس آیت میں ان کے احسانات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں ماں کی مشقت ظاہر کی گئی ہے، اس مشقت میں باپ شامل نہیں ہے۔

چوں کہ باپ اس دور میں خاص طور پر اپنی بیوی کے کھانے پینے کا خیال کرتا ہے، نان نفقہ تو ہر حال میں واجب ہوتا ہے، لیکن اس حال میں فطری طور پر بیوی کو اپنے بچّہ کا امین سمجھتا ہے اس لئے اس پر خصوصی توجہ کرتا ہے۔

خُدا تعالیٰ نے اپنی ذات کو شامل کیا۔ کیوں کہ خُدا ہی حقیقت میں اس خاص حالت میں عورت کی نگرانی فرماتا ہے اور حقیقی احسان خُدا ہی کا احسان ہے۔

حاصل یہ کہ حدیث میں نقصانِ دین (عبادت) کہا —— نقصان اجر و ثواب نہیں کہا۔

نقصانِ عقل کیا ہے؟

عقل کے نقصان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بحیثیت مجموعی عورت کے اندر فہم و دانش کی مرد کے مقابلہ میں کمی ہوتی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کے اندر قوتِ برداشت کی کمی ہوتی ہے —
حدیث پاک میں عقل کے معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، سمجھ اور فہم کے معنی نہیں ہیں، عربی میں عقال اور عقل کے معنی رسی جس سے اُونٹ کے پیر باندھے جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عورت میں ضبط اور برداشت کی قوت کم ہوتی ہے، یہ جذبات سے جلد مغلوب ہو جاتی ہے۔

جذباتی ہونے کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی گواہی میں عدل پر قائم نہ رہ سکے، اس لئے دوسری عورت کو بھی اس ایک عورت کے ساتھ لگا دیا گیا — تاکہ اگر ایک عورت اظہارِ حق میں کمزوری دکھائے تو دوسری عورت اس کی اصلاح کردے۔

ظاہر ہے کہ صحیح صحیح گواہی دینے کا تعلق عقل و فہم کے مقابلہ میں اظہارِ حق کے جذبہ کے ساتھ زیادہ ہے۔

قرآنِ کریم نے مرد کی صفت قوام بیان کی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ (۳۱)

مرد عورتوں پر نگراں ہیں یعنی خاندان کے حالات پر کنٹرول کرنے والے، قوام کی جگہ حاکموں اور حاکم کے الفاظ استعمال نہیں کئے، اس لفظ کا ترجمہ اہلِ فارس کارفرما کرتے ہیں جو اس کا صحیح مفہوم ہے۔

مولانا آزاد علیہ الرحمہ نے کارفرما کے ساتھ کارپرداز کا ایک لفظ تشریحی طور پر بڑھا دیا ہے۔

مرد کا حاکمانہ تصوّر:

اسلام میں دور دور بھی یہ تصور نہیں ملتا کہ مرد عورت پر حاکم مطلق ہے اور عورت مرد کی محکوم اور غُلام ہے۔

اور حاکم بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہیں بلکہ فرعون و نمرود جیسا حاکم ہے،

مرد کے اندر فرعونی حاکمیت کا تصور شیطان کی پیداوار ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیل کے طور پر فرمایا۔

ابلیس مسلمانوں کو کسی گناہ کے اندر مبتلا کر کے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ میاں بیوی کے اندر جھگڑا کرا کر خوشی محسوس کرتا ہے کیوں کہ میاں بیوی کا جھگڑا سارے خاندان بلکہ سارے معاشرہ کے اندر شر و فساد پیدا کر دیتا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ جس کی بیٹی سکھی اس کا سارا خاندان سکھی اور جس کی بیٹی دکھی اس کا سارا خاندان دکھی

قرآن کریم نے عورت کے لئے رفیقۂ حیات (زوجہ) اور جوڑے کا تصور پیدا کیا، عورت نسلِ انسانی کی بنیاد ہے، بیوی مرد کے آدھے ایمان اور آدھے دین کو مکمل کرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ نکاح محبت و مودۃ کا رشتہ ہے، دو افراد ہی کے درمیان نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان باہمی ہمدردی اور رفاقت کا رشتہ ہے۔ (روم ۲۱)

نکاح صرف حیوانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ نہیں ہے، صرف نسلِ انسانی کو آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ ایک مقدس اخلاقی اور روحانی رشتہ ہے، محترم رشتہ ہے۔

لڑکے والے جب کسی کی لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھیک مانگنے آئے ہیں، ہمیں خالی نہ بھیجنا، آپ کی لڑکی ہماری ملکہ بن کر رہے گی، ہم اسے بیٹی کی طرح رکھیں گے۔ مگر جیسے ہی نکاح کے دو بول پڑھا دیئے جاتے ہیں اسی وقت لڑکے والوں کی نظریں دوسری ہو جاتی ہیں۔

معاشرہ نے محبت میں لڑکے کو نوشاہ (نیا بادشاہ) کہا، اس کے سر پر شاہانہ تاج رکھا، اسے گھوڑے پر بٹھا کر لایا گیا، یہ اس کے مرتبہ کا اعزاز ہے مگر اس رسمی اعزاز نے اس کے اندر فرعونی نخوت پیدا کر دی۔

لڑکی کو دلہن بنا کر ضرور ہے جایا گیا مگر لڑکے اور لڑکے والوں کے دلوں میں بہت جلد وہ ایک باندی بن گئی۔

ماں باپ نے جو کچھ دیا وہ سب خاک ہے، جو کچھ کھلایا پلایا وہ لڑکے والوں کے قابل نہیں تھا، یہ خیالات عام ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سمدھیوں کی عزت نہیں کی گئی یہ دو چہرے کیوں۔؟

ایک بھلا آدمی ہر حیثیت سے، بھائی کی حیثیت ہو دوست کی حیثیت ہو۔ کسی کے بہنوئی ہونے کی حیثیت ہو۔ بھلا آدمی معلوم ہوتا ہے لیکن وہ ایک داماد کی حیثیت سے، اس کا باپ ایک خسر کی حیثیت سے، اس کی ماں ساس کی حیثیت سے فرعونی صفت کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔

آخر ایک انسان کے یہ دو چہرے کیوں ہیں۔؟ ایک ہی شخص داماد ہونے کی حیثیت سے اذیت رساں ہے وہی شخص اپنے داماد کا خسر ہونے کی حیثیت سے بڑا بھلا آدمی نظر آتا ہے۔ یہ کیوں ہے۔؟

یہ اسی تصور کا نتیجہ ہے کہ عورت ایک باندی ہے، جب وہ بہو ہے تو گھر کی نوکرانی ہے اور جب وہ بیٹی ہے تو گھر کی رانی ہے۔

لیکن انسان بھول جاتا ہے کہ میری بیٹی کسی دوسرے گھر کی بہو بن کر جائے گی اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہو سکتا ہے جو میرے گھر میں بہو کے ساتھ ہو رہا ہے۔

حاصل یہ کہ مرد کی فرعونی صفت کو عورت کی تقدیر قرار دے کر مرد کے گناہوں پر پردہ کیوں ڈالا جاتا ہے؟

یہ تقدیر، تقدیر، عورت کے ساتھ ہی کیوں ہے، کیا مرد کی تقدیر نہیں ہے۔ کیا مرد بے تقدیر پیدا ہوا ہے۔؟

عورت کے لئے روحانی سعادت:

عورت ---- روحانی سعادت اور تقرب الی اللہ کے لحاظ سے مرد کے مقابلہ میں کسی طرح کم نہیں ہے، عورتوں میں نبوت کا مرتبہ رہا ہے، اہلِ تحقیق علماء کے نزدیک حضرت مریم (والدہ حضرت عیسیٰ) اور حضرت لوخا (والدہ حضرت موسیٰ) یہ دونوں خواتین نبی (صاحب وحی) تھیں۔

نبوت ختم ہو گئی، لیکن ولایت قیامت تک جاری رہے گی اور نیک عورتوں میں اولیاء اور اہلِ اللہ درجہ کی عورتیں ہوتی رہیں گی۔

حضرت شیخ المشائخ سلطان نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے کہ اولیاء کبار جب غذا

کے مقبول بندوں کے وسیلے سے دُعا کرتے تو اُن نیک بندوں میں عورتوں کو مقدم رکھتے، کیوں کہ اخلاص اور اخفاء (چھپا کر عبادت کرنے) میں عورتیں مردوں سے بلند درجہ رکھتی ہیں۔

(فوائد الفواد جلد اول ص ۲۵۸)

تو پھر جس معاشرہ میں بلاوجہ اور بلا سبب صرف اظہار برتری کے لئے عورتوں پر زیادتی کی جاتی ہے کیا وہ گھر اور خاندانِ خُدا کے غصّہ سے محفوظ رہتا ہوگا۔؟

گردوں کی قسم تیری جفا سے نہیں ڈرتا
ڈرتا ہوں میں اس سے جو خُدا سے نہیں ڈرتا

عورتوں پر زیادتی کی دو صورتیں ہیں، ایک براہِ راست اور بلاواسطہ زیادتی اور دوسری بالواسطہ زیادتی ـــــ یہ دوسری صورت اس طرح ہے کہ لڑکی کے ماں باپ اور بھائی بہنوں کو بلاوجہ بُرا بھلا کہا جائے اور ان کی توہین کی جائے، صرف اس قصور پر کہ وہ لڑکی کے ماں باپ ہیں، لڑکی کے ماں باپ بن کر انھوں نے بڑا گناہ کیا ہے، ـــــ بس توبہ کا مقام ہے۔

مسلم معاشرہ میں طلاق کی لعنت اور معاشرتی جھگڑوں کی وبا اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ ایک غیرت مند مُسلمان شرم سے سر جُھکا لیتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے۔

جس کو خُدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگِ دیں — دُنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اُس کو کیا کہوں — فطرت میں وہ رذیل ہے، مرد کثیف ہے

عورت کے لئے صبر و شرافت :

شریعت نے عورت کا حقیقی حسن و جمال صبر و شرافت کی صفات کو قرار دیا ہے صبر اور شرافت اور خدمت و قناعت اختیار کر کے عورت، بُرے سے بُرے حالات کو بدل دیتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے۔

بے صبری اور جلد بازی اس کے حالات کا علاج نہیں، قدرت نے وعدہ کیا ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (زمر: ۱۰)

صبر و برداشت کی راہ اختیار کرنے والوں (مرد ہوں یا عورتیں) کو خدا تعالیٰ بے حساب

فضل وکرم سے نوازتا ہے۔

قرآن کریم نے یہی ہدایت مردوں کو کی ہے کہ اگر ان کی رفیقۂ حیات میں کوئی کمزوری (ظاہری یا اخلاقی نقص) ہے تو وہ صبر سے کام لیں، خدا تعالیٰ ان کے صبر کا بدلہ انھیں کسی نہ کسی صورت میں عطا کرے گا۔

مثلاً انھیں نیک اولاد دے گا جو بڑھاپے میں اُن کے کام آئے گی یا انھیں مالی خوش حالی عطا کرے گا جس سے وہ سارے غم بھول جائیں گے، خدانخواستہ اگر کبھی بُرا وقت آجائے گا تو یہ بیوی اس بُرے وقت میں اُس کے کام آئے گی۔

تکلیفوں اور پریشانیوں میں صبر کرنے کا بدلہ خدا تعالیٰ ایسی ایسی شکلوں اور ایسے ایسے طریقوں سے عطا کرتا ہے کہ انسان اس کا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا۔

مہر فاطمیؓ کی حیثیت:

دین دار لوگ تبرک کے طور پر مہر فاطمی پر نکاح باندھتے ہیں، مہر فاطمی (۱۳۲) تولہ چاندی (۵۰۰ درہم) یعنی سکۂ رائج الوقت کے لحاظ سے (۱۱۶۴۵) روپے ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عہدِ حاضر کے دو مشہور عالم و شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے درمیان مہر فاطمی کے بارے میں اختلاف رونما ہوا۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے شیخ حضرت مولانا تھانوی کی خدمت میں لکھا کہ میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مہر فاطمی پر خود پڑھا دیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ دو سنتوں پر عمل ہوگیا ہے۔

حضرت تھانوی نے جواب میں لکھا کہ سلیمان کی حکومت میں رعایا کی حق تلفی کیوں کی گئی اور مہر مثل جو عروسہ (دلہن) کا شرعی حق تھا اس سے اُسے محروم رکھا گیا۔

مولانا تھانوی نے نہایت حکیمانہ پیرایہ میں یہ اشارہ کیا کہ شریعت میں اگر عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو بلکہ اس کی نفی کردی گئی ہو تب بھی اس کا مہر واجب ہوجائے گا اس مقدار کے مطابق جو اس کے خاندان کی دوسری لڑکیوں کا مقرر ہوتا رہا ہے، یہ مہر مثل کہلاتا ہے۔ تو اگر کسی لڑکی کا

مہر مثل بیس ہزار ہے مثلاً تو مہر فاطمی کے گیارہ ہزار کے تقرر سے اس کی حق تلفی ہوئی۔

حضرت تھانوی کی یہ رائے مولانا مدنی کے سامنے رکھی گئی تو مولانا نے اس کا مفصل جواب لکھا جس کا انداز روحانی نوعیت کا ہے۔

حضرت تھانوی نے جوبات کہی اس کی نوعیت قانونی ہے اور عورت کے شرعی حقوق سے اس کا تعلق ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے، مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۲ صفحہ ۱)

سامان زینت صرف عورت کے لئے:

اسلام میں عورت کے لئے سونے چاندی کے زیورات، سچا گوٹہ ٹھپا وغیرہ جائز قرار دیا گیا ہے لیکن مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی (ساڑھے چار ماشے تک) جائز قرار دی ہے، اس کے علاوہ کوئی زیور نہیں، اس حکم میں بڑے اور بچے دونوں شامل ہیں مردوں کے لئے چادروں اور دوسرے لباس میں گوٹا ٹھپا لگانے اور زری کی گوٹ لگانے کی اجازت دی ہے لیکن وہ چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو۔

سونے چاندی کے برتن، سرے دانی وغیرہ نہ عورتوں کے لئے جائز ہے اور نہ مردوں کے لئے جائز ہے۔

عورتوں کے لئے زیورات کی اجازت کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ضرورت کی حد تک زیورات رکھے جائیں، مال دار عورتیں ایک ایک قسم کے زیورات کے کئی کئی سیٹ رکھتی ہیں، اسے شریعت اسراف قرار دیتی ہے۔

شیشے کے برتن:

اسلام میں شیشے اور کانچ کے برتنوں کی اجازت ہے، مشہور بزرگ حضرت جنید بغدادی (۲۱۶ھ) کے والد محمد ابن جنید بغداد میں شیشے کے برتنوں کی تجارت کرتے تھے۔

ان کے والد نے اپنے لڑکے کا نام اپنے والد کے نام پر رکھا تھا جنید بغدادی ابتداء میں اپنے والد کی دوکان پر بیٹھتے تھے، اس تجارت کے تعلق سے لوگ انھیں قواریری (کانچ کے برتن والے)، زجاج (شیشہ گر) کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ (نفحات الانس صفحہ ۸۱)

چینی کے برتن اور چینی کا دوسرا سامان زینت بھی مباح ہے۔

برادری ازم اور مسئلہ کفو

اسلامی مساوات اور معاشرتی انصاف اسلام کا بنیادی اصول ہے لیکن ازدواجی رشتہ میں "کفو" کے فقہی مسائل نے مسلمانوں کو بے سمجھی کی وجہ سے افراط وتفریط کے اندر مبتلا کر دیا ہے۔

پچھلے دنوں اس مسئلہ کفو میں مسلمانوں کی مزاجی انتہا پسندی نے اخباروں میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور اس سے غیروں میں اسلامی اصولوں کے بارے میں بڑی طنز آمیز باتیں پھیلی تھیں، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں جو اعتدال وتوازن شریعت نے قائم کیا ہے اس کی وضاحت کی جائے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی واضح ہدایات کے مطابق دُنیا کے اندر اور خاص کر قریش مکہ میں پھیلی ہوئی نسلی اور قبائلی اُونچ نیچ کی نہایت موثر اصلاح کی اور نظری اصلاح کے علاوہ آپ نے عملی طور پر ایک انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینب کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے ساتھ کر دیا۔

حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان والوں نے اس رشتہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کیوں کہ زینب خاندان قریش کی ایک باعزت خاتون تھیں اور زید ایک غلام تھے جنھیں رسول پاکؐ نے آزاد کر دیا تھا، مگر حضورؐ نے اس پر اصرار کیا اور حضرت زینب اور ان کے رشتہ داروں نے حضورؐ کے اصرار پر سر تسلیم خم کر دیا۔

یہ رشتہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد باہمی رنجش کا شکار ہو گیا اور ان کے گھر میں ہر وقت کُل کُل رہنے لگی، حضرت زید نے بارہا حضرت زینب کے تکلیف دہ رویہ کی شکایت کی مگر آپ نے

انھیں تسلی دے کر خاموش کر دیا لیکن پھر آپ مجبور ہو گئے اور زید کو طلاق دینے کی اجازت دے دی اور اس طرح یہ اصلاحی قدم نسلی اور خاندانی تفاخر کے غلبہ کے سبب فی الحال ناکامی کی نذر ہو گیا۔

نکاح کا بنیادی مقصد مرد اور عورت کے درمیان اور دو خاندانوں کے درمیان میل محبت اور رفاقت کا قیام ہے، یہ مقصد اگر فوت ہو جاتا ہے تو پھر رشتہ نکاح بے مقصد ہو جاتا ہے اور اس کا ختم کر دینا ہی عقل و دیانت کا تقاضا بن جاتا ہے۔

عرب کے اندر قبائلی اُونچ نیچ تھی، ہندوستان پیشہ ورانہ اُونچ نیچ کا قدیم بیمار مُلک ہے مُسلمان جب یہاں آئے تو ان کا معاشرہ بھی اس بیماری سے متاثر ہوا۔

کفو کا حنفی تصوّر!

حقیقت یہ ہے کہ اس پیشہ ورانہ اونچ نیچ سے اُمت توحید کو بڑا نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے، خاص کر اس اُونچ نیچ کی پیداوار معاشرتی زندگی میں کفو کا موجودہ حنفی تصوّر مُسلمانوں کو بُری طرح آپس میں ٹکرا رہا ہے۔

میں نے حنفی تصوّر کا لفظ استعمال کیا ہے کیوں کہ فقہا ہیں امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسلک کے حوالے سے یہ تصوّر پھیلا ہوا ہے، حالاں کہ امام صاحب پہلے امام مالک کے ہم خیال تھے اور کفو (برابری) سے دین میں برابری مُراد لیتے تھے۔ ———————— نسب و خاندان میں برابری مُراد نہیں لیتے تھے، لیکن مُسلم سماج میں پھیلے ہوئے حسب و نسب کے تفاخر کی وجہ سے جب ایک شریف زادی کے ایک کمزور طبقہ کے لڑکے کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے سے جھگڑے پھیلتے دیکھے تو امام صاحب نے اس قسم کے جھگڑوں سے بچنے کی خاطر اپنے شاگردوں (صاحبین) کی رائے اختیار کر لی۔

صاحب بحر الرائق (۱۳۱) کی تشریح کے مطابق امام ابو حنیفہ کی رائے کسی حدیث پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک سماجی اور معاشرتی مجبوری پر مبنی ہے۔ متاخرین فقہاء احناف نے امام صاحب کی رائے کے پس منظر سے قطع نظر کر کے کفو کو ایک دینی مسئلہ بنا دیا اور مختلف پیشوں کے درمیان درجہ بندی قائم کر دی اور اسرائیلی راویوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس خلاف عقل درجہ بندی کو

منسوب کردیا۔ کنز العمال میں ۲۴۵/۸ ہیں وہ ضعیف روایات آج تک موجود ہیں۔ لیکن کفو کے بارے میں تمام احادیث کو ضعیف کہنا غلط ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو امام مالک جیسے محدث فقیہہ کفو کا مسئلہ ہی کیوں بیان کرتے البتہ بعض صحیح روایات میں کفو کا جو مفہوم ہے اسے امام مالک نے واضح کیا ہے۔

امام مالک کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا مدینہ منورہ میں اسلامی اصلاحات کا کسی نہ کسی درجہ میں اثر موجود تھا اس لئے امام مالک کی رائے اسلام کے اصولی موقف پر قائم رہی۔

اس کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا تعلق عراق (کوفہ) سے تھا اور یہ سرزمین اسلامی اصلاحات کے اثر سے محروم تھی،

یہ فرق تھا دونوں اماموں کے درمیان ماحول اور معاشرہ کا۔

جمعیۃ علماء ہند کی کوشش:

دیوبند کے ایک کتابچہ کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر جو بے چینی پھیلی جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے اس کو دور کرنے کے لئے اپنے اجلاس میں اونچ نیچ کی مذمت میں ایک تجویز منظور کی یہ تجویز واقعی بڑی اہم ہے لیکن اس میں کفو کے حنفی تصور کی تردید نظر نہیں آتی۔

یہاں تک کہ اس تجویز کے اہم ترین محرک مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کے فتاوا میں اسی تصور کفو کے تحت فتوے موجود ہیں، حضرت مفتی صاحب نے متعدد سوالات کے جواب میں یہی لکھا ہے کہ ایک شریف زادی ولی کی رضامندی کے بغیر بالغ ہونے کے باوجود ایک کمزور برادری کے لڑکے کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی یعنی اگر ایسا کرے گی تو ولی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ (کفایت المفتی ۵ ص ۱۹۴)

مفقود الخبر شوہر کے بارے میں ان اکابرین نے حنفی مسلک کو ترک کر کے امام مالک کے مسلک کو قبول کیا اور الحیلۃ الناجزہ کتاب ترتیب دی گئی لیکن اس وقت کفو کا یہ حنفی تصور پھیلا ہوا تھا مگر ان حضرات نے اس مسئلہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اس مسئلہ میں بھی جو مسلمان پھنس جاتا ہے وہ طلاق ثلث کے مسئلہ کی طرح مسلک اہل حدیث سے رجوع کرتا ہے۔ اہل حدیث حضرات کا مسلک امام مالک کے مطابق ہے اگر مسلمان

اس مسلک کی پیروی کریں اور باہمی رضامندی سے برادریوں کے امتیازی ناموں سے قطع نظر صرف دینی تعلق کو اہمیت دیں اور آپس میں شیخ صدیقی اور شیخ انصاری اور سواتی پٹھان اور دیسی پٹھان رشتہ داریاں کریں تو پھر کسی کو اعتراض کرنے کی کیا ضرورت پڑے، حنفی مفتی صاحبان کفو کے فتوے گھر گھر تقسیم کرنے نہیں جاتے بلکہ جب کسی وجہ سے دونوں فریقوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوتا ہے اور جھگڑے میں مفتی صاحبان کو گھسیٹا جاتا ہے تو یہ حضرات مجبور ہو کر فسخ نکاح کا فتویٰ دیتے ہیں۔
لوگ مفتی صاحبان کی جان کو رونے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے خاندانی اور معاشرتی فساد پر ماتم نہیں کرتے۔ علماء کرام میں صرف دو سید عالم صاحب قلم ایسے گزرے ہیں جنھوں نے کفو کی حنفی درجہ بندی کے خلاف فیصلہ کیا، ایک مولانا سید سلیمان ندوی اور دوسرے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جمعیۃ علماء ہند کے ایک صاحب قلم دوست نے بجا طور پر حساس ہو کر اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہو سکتا ہے کہ انھیں ذاتی طور پر اس مسئلہ سے تکلیف پہنچی ہو لیکن اس خلاف روح اسلامی مسئلہ کو ختم کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ برتری پسند طبقہ کی ہر طرف سے مذمت کی جائے بلکہ اس کا معقول طریقہ یہ ہے کہ پہلے جمعیۃ علماء ہند اپنے فقہی ادارہ کو مشورہ دے کہ وہ اس پر غور و فکر کرکے امام مالک کی رائے کو قبول کرنے کا اعلان کرے اور دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء اس پر عمل شروع کردے
جمعیۃ العلماء کا یہ اقدام اصلاح معاشرہ تحریک کے سلسلہ میں ایک بنیادی اصلاحی قدم ہوگا۔
لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ تمام حنفی مکاتب فکر اس سے اتفاق کریں گے۔ بہشتی زیور کے ماننے والے اور فتاویٰ رضویہ پر چلنے والے بھی اسے تسلیم کرلیں گے؟
خاندانوں اور برادریوں کی تقسیم قرآن کریم کے مطابق ایک فطری ضرورت ہے لیکن یہ تقسیم صرف تعارف کے لئے تھی اس میں تفاخر کا جذبہ سیاست و اقتدار کے شوق کے سبب پیدا ہو گیا۔
مسلمانوں میں اسلامی مساوات کی روح کو ختم کرنے کا اصلی سبب قریش کے بعض قبائل کی طرف سے اپنا سیاسی تفوق قائم کرنے کا جذبہ تھا۔
پھر یہ تفاخر پوری ملت میں سرایت کر گیا۔ حضرت ابن عباس نے اپنے دور کے

بارے میں یہ فرمایا تھا کہ مُسلمانوں نے قرآنِ کریم کی تین آیتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے ان میں سے ایک آیت یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم خُدا کے نزدیک متقی انسان بہتر ہے اور مسلمان کہتے ہیں کہ "اعظم بیتا" جس کے پاس کوٹھیاں اور بنگلے ہیں وہ بہتر ہے۔ —— اس کا مطلب یہ ہے کہ :

رسولِ پاکؐ کی تربیت کا اثر کم ہوتے ہی اسلامی مساوات کا اثر کم ہونا شروع ہوگیا تھا۔ رسولِ پاکؐ نے اخلاق وروحانیت کو اہمیت دی تھی مگر آپ کے بعد سیاست اور دولت کو اہمیت دی جانے لگی۔

کفو کا معقول اور فطری تصور یہ ہے اور یہی صحیح احادیث کا صحیح مفہوم ہے کہ نکاح جیسے تا زندگی قائم رہنے والے رشتہ میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان سماجی مناسبت ہو دونوں کی سماجی حیثیت میں نمایاں فرق نہ ہو۔

اسلام کے سامنے سوال بڑی چھوٹی برادری کا نہیں ہے بلکہ حیثیت اور حالت کے درمیان یکسانیت کا ہے جو ایک فطری ضرورت ہے اور ان پیشہ ور برادریوں کے اندر بھی اس یکسانیت کا لحاظ کیا جاتا ہے برتری پسندی صرف نسب وحسب کے حامیوں کے درمیان نہیں پائی جاتی بلکہ ان برادریوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے چنانچہ ایک بنارسی کپڑے کا تاجر انصاری اپنے کپڑا تیار کرنے والے کاری گر انصاری کو اپنی بیٹی نہیں دیتا بلکہ اپنے ہم پلّہ تاجر کے لڑکے کو پسند کرتا ہے۔

شائستہ مُسلم طبقہ توہین وتحقیر کی بدخلقی سے پرہیز کرتا ہے لیکن قصبات میں یہ لعنت بُری طرح پھیلی ہوئی ہے کہ طاقتور طبقے کمزور اور محنت کش افراد کو ان کے پیشوں کی نسبت سے پُکارتے ہیں، یہ ذہنیت ان بڑے لوگوں کے اعمالِ حسنہ کے اجر وثواب کو برباد کر دیتی ہے لیکن اس ذہنیت سے یہ محنت کش برادریاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

برادریاں بڑی ہوں یا چھوٹی ان سب میں امیر وغریب کی اونچ نیچ موجود ہے۔ ایک خان زادہ اگر تعلیم واخلاق سے محروم ہے اور غربت کا شکار ہے تو اسے اس کی برادری میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ یہی حال پیشہ ور برادریوں کا ہے اور یہ تفریق ذات پات کی نہیں ہے بلکہ حالت، حیثیت اور سماجی مرتبہ کی ہے۔

برادریوں میں برادری ازم کا نعرہ صرف سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لئے اُن کے لیڈر لگاتے ہیں لیکن ضرورت اس کی ہے کہ ہر برادری کے دولت مند اپنے غریب، ان پڑھ اور بے سہارا بھائیوں کی تعمیری مدد کریں اور وہ استحصال بند کیا جائے جو برادرانہ رشتوں کے باوجود ایک دولتمند اپنے غریب بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔

اُونچ نیچ پر کراری چوٹ مارنے کا یہی طریقہ ہے خالی خولی بیانات دینے سے اس کا علاج نہیں۔

صحابہ کرام کے مختلف پیشے:

حضرات صحابہ میں قُریش کے حضرات تجارت پیشہ تھے اور تجارت قُریش کا قدیم ذریعہ معاش تھا، اس پیشۂ تجارت کے سبب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن ابنِ عوف وغیرہ دولت مندوں میں شامل تھے۔

تجارت کے علاوہ قُریش قبیلے میں عام ضرورت کی دست کاریاں بھی موجود تھیں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے کچھ عرصہ تیر بنانے کا کام کیا، کھجوروں کے درختوں کی اصلاح کا کام بھی کیا جو باغبانی کہلاتا ہے، حضرت عتبہ بخاری (بڑھیئے) کا کام کرتے تھے حضرت زبیر کے والد عوام خیاطی (درزی) کا کام کرتے تھے، حضرت عمرو ابن عاص جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑے اور عطریات کی تجارت کرتے تھے، ابوسفیان زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، عثمان ابن طلحہ بھی درزی (خیاط) تھے۔

(ماہنامہ دارالعلوم ۱۹۷۳ء بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ)

حضرات صحابہ کرام کے ان پیشوں کو دیکھ کر ہندوستان کی مختلف برادریاں اپنے آپ کو نسبی طور پر ان کی طرف منسوب کر کے خود کو ان کی اولاد ثابت کرنے لگیں تو یہ بات صحیح نہیں ہوسکتی۔

حضرت سعدؓ اور حضرت عمرو ابن عاصؓ:

الاسلام والحضارۃ کے مصنف نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ کمان بناتے تھے اور حضرت عمرو ابنِ عاص جانور ذبح کرتے تھے، لیکن یہ نہیں

لکھا کہ کمان سازی اور قصابی کے کام ان کے خاندانوں میں بطور پیشہ کے باقی رہے۔

مصنف نے ان صحابہ کرام کے ابتدائی دور کے کاموں کی نشاندہی کی ہے جو عہد غربت میں یہ حضرات کرتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو یہ دونوں حضرات بڑے بڑے حکومتی عہدوں پر سرفراز ہوئے اور پھر ان کے خاندان سیاسی اور معاشی خوش حالی کے دور میں داخل ہوگئے۔

ظاہر ہے کہ اس دورِ حکومت میں ان کے خاندانوں میں یہ پیشے قائم نہیں رہے ہونگے۔

سعد ابن ابی وقاص بہترین فوجی جرنیل تھے، انھوں نے فارس کی اہم جنگ (قادسیہ) کی قیادت کی اور فتح مند ہوئے، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور میں یہ کوفہ کے گورنر رہے۔

بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں ان کے خاندان کو بڑی عزت ملی حضرت سعد کے لڑکے ابنِ سعد نے آلِ رسول کے مقابلہ میں شامی اور کوفی فوجوں کی قیادت کی اور اہلِ بیت پر فتح حاصل کی اور پھر اس گناہ کی سزا میں مختار ثقفی کے ہاتھ سے کوفہ میں قتل ہوئے۔ عمرو ابنِ عاص نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کیا، یہ عرب کے انتہائی مدبر (ہوشیار) سرداروں میں شمار کئے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عمان (خلیج فارس کی ریاست) کا گورنر بنایا، پھر مصر پر فوج کشی میں فوج کے سالار رہے اور مصر فتح کیا اور مصر کے گورنر بنا دیئے گئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی اختلافات میں انھوں نے حضرت معاویہ کا ساتھ دیا اور جنگ صفین میں بنی اُمیہ کی فوج کو شکست سے بچنے کے لئے نیزوں پر جھنڈے بلند کرنے کا مشورہ دیا اور بنی اُمیہ کو حضرت علی کی فوج کے ہاتھوں شکست سے بچا لیا۔

ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے نوے سالہ عہدِ حکومت میں ان کے خاندان پر سیاسی عروج کا سایہ رہا۔ پھر بھلا عہدِ غربت کے پیشہ گوشت فروشی سے اس خاندان کا کیا تعلق رہا ہوگا۔

یہ وضاحت اس لئے کی گئی کہ بارہ تیرہ سو برس کے بعد کسی ہندوستانی گوشت فروش طبقہ کا اپنے آپ کو عمرو ابنِ عاص کی نسل قرار دینا اور اپنے پیشہ کو عمرو بن عاص سے جوڑنا ایک بے تکی بات نہیں تو کیا ہے۔ اسی طرح رنگ ساز طبقہ کا اپنے آپ کو حضرت سعد کے ابتدائی غربت کے پیشہ سے جوڑنا اور اپنے آپکو ان کی اولاد قرار دینا مضحکہ خیز بات نہیں تو کیا ہے۔

فتوے کی کتابوں کا بار بار حوالہ نہ دیجئے :

پیشہ ورانہ اونچ نیچ کے تصورات کی اہلِ حق علمار نے مکمل تردید کردی ہے مفتی اعظم ہند اور صدر جمیعۃ علمار ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ نے (۱۹۳۴ء) میں مولانا محمد شفیع صاحب کی کتاب (مساوات اسلامی کی حقیقت) کے جواب میں سہ روزہ الجمعیۃ کے صفحات پر محدثانہ جرح کرکے ان موضوع روایات کی تردید کی ہے جن میں مختلف پیشوں اور مختلف دست کو حقیر قرار دینے کی افسوسناک کوشش کی گئی ہے۔

یہ ساری بحث کفایت اللہ جلد ہفتم میں صفحہ (۳۷۷) سے صفحہ (۳۸۷) تک مکمل دس صفحات میں موجود ہے۔

مفتی صاحب کے اس مکمل جواب پر اس دور کے اہلِ حق علمار کی طرف سے کوئی اشکال نہیں کیا گیا، چند افراد تھے جو اس دور کے سیاسی پس منظر میں ان غیر اسلامی تصورات کی حمایت کر رہے تھے، اس بحث کو نقل کرنا بھی آج کے حالات میں غلط ہے۔

میں مسلمانوں کے اہلِ قلم حضرات سے بڑے ادب اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ فتویٰ رشیدیہ ہو، بہشتی زیور ہو، امداد الفتاویٰ ہو یا فتوی رضویہ ہو اس مسئلہ میں ان کے حوالے بار بار اخباروں میں شائع نہ کریں۔

ان فتاویٰ کی بنیاد ان ہی ضعیف روایات پر ہے جن کی تردید کی جا چکی ہے ان فتاوا کے مصنف حضرات خدا کو پیارے ہو چکے، وہ سب بڑے لوگ تھے، ان کے فتوے ان کی ذاتی تحقیق پر مبنی تھے، اختلاف رائے ہوتا ہے۔ ان فتاویٰ کے بار بار تذکرہ سے اُمت میں انتشار پھیلتا ہے۔

معاشرتی مشکلات اور شرعی اجتہاد

مولانا آزادؒ نے ترکِ اجتہاد پر جن مفاسد شرعی کی طرف اشارہ کیا، اوپر اسی عنوان کے تحت اس پر مختصر بحث کی جا چکی ہے، لیکن یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں اکابر علماء اور متقدمین نے جو کچھ لکھا ہے وہ پیش کیا جائے تاکہ مولانا آزاد کی بصیرت واضح ہو کر سامنے آجائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ معاشرتی مسائل میں اجتہاد کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت پر مولانا آزاد نے جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کی آزاد خیالی ہے ——

حالانکہ مولانا جو رائے رکھتے تھے وہ اکابر امت حضرت شاہ ولی اللہ اور دوسرے بزرگوں کے ہاں موجود ہے اور مولانا نے انہی خیالات کی روشنی میں اپنی رائے ظاہر کی ہے:

آج ہمیں معاشرتی اور عائلی مسائل میں جو مشکلات پیش آرہی ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم ایک با اختیار محکمہ شرعی سے محروم ہیں جسے شریعت نے اجتہاد شرعی کی اجازت دی ہے —— اور اس کے ارکان کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اتنی بصیرت رکھتے ہوں کہ ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر قوانین شریعت کی صحیح تعبیر و تنفیذ کر سکیں۔

آج ہمارے بے اختیار دار القضا اور دار الافتاء متقدمین کی کتابوں اور فتاویٰ کے مجموعوں سے جزئیات نقل کر کے اپنا فرض ادا کرتے ہیں —— لیکن اس سے مسلم معاشرہ کی شرعی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور نفاذ کے اختیار سے خالی ہاتھ ہونے کی وجہ سے وہ فتاویٰ اور فیصلے کوئی اثر نہیں رکھتے۔

ہماری بہنیں اور لڑکیاں حالات کے ظلم و ستم سے تنگ آکر غیر اسلامی

عدالتوں کی طرف رجوع کرتی ہیں اور اپنی مشکلات سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اگر ہمارے دار الافتاء بے اختیار ہوتے ہوئے بھی اجتہاد سے کام لیں اور پیش آمدہ مسائل کو سمجھ کر فتوے جاری کریں تب بھی مسلمان شرعی پنچایتوں کے ذریعہ باہمی رضامندی سے اپنے مقدمات طے کرالیں لیکن دار الافتاء بھی نقل فتوی کے سوا اپنے اجتہاد اور شرعی بصیرت سے کام لے کر جواب دینے سے کتراتے ہیں اور اسی میں خیر سمجھتے ہیں کہ اسلاف کے فتاوی نقل کردیں۔

آج سے پچاس سال پہلے جب حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمہ کی تحریک پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ کی نگرانی اور رہنمائی میں ــــ الحیلۃ الناجزۃ ــ کی ترتیب عمل میں آئی تو اس کی تقریظ میں مولانا کاندھلوی نے تحریر فرمایا:

"مسائل مذکورہ (مفقود الخبر، عنین اور ارتداد وغیرہ) کے باعث ہندوستان میں جس قدر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے وہ ظاہر ہے ــــ اور ضرورت کے وقت مقلد کو دوسرے امام کے قول پر فتوی دینا یا ضعیف اور مرجوح قول کو مفتی بہ قرار دینا بھی جائز ہے ــــ پھر ایسی ضرورت جس کا تعلق مسلم معاشرہ کی دینی ضرورت سے ہو محض کسی شخص خاص کی ضرورت سے نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ اقدام جواز کے دائرہ سے بھی آگے بڑھ جائے (یعنی وجوب تک) تو اس میں بھی تعجب نہیں۔ (خلاصہ)

حضرت تھانوی کی اصطلاح میں یہ تلفیق بین المذاہب ہے اور اس کے تحت رسالہ مذکورہ میں عنین، مجنون، مفقود، نالائق، نکھٹو اور غائب غیر مفقود اور ارتداد کے مسائل میں امام مالکؒ کے مسلک پر فتوی جاری کیا گیا۔

بعض حضرات کی طرف سے اس فقہی طرز عمل پر اعتراض کیا گیا تو آخر کتاب میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا گیا:

افتاء بمذہب الغیر بوقت ضرورت کی اصل خود امام ابو یوسف سے بھی منقول ہے۔

چنانچہ شامی نے رسم المفتی میں بحوالہ بزازیہ نقل کیا ہے۔

انہ صلی الجمعۃ مغتسلاً من الحمام ثم اخبر بفارۃ میتۃ فی بیر الحمام فقال ناخذ بقول اخواننا من اھل المدینۃ ان ابلغ الماء قلتین لم یحمل خبثاً۔

یعنی امام یوسفؒ نے حمام میں غسل کر کے نماز جمعہ ادا کی، اس کے بعد انہیں بتایا گیا کہ اس حمام میں گندے کنوئیں میں سے پانی لایا گیا ہے، تو حضرت امام نے فرمایا— ہم اپنے مدنی بھائیوں کے قول پر عمل کرلیں گے کہ جب پانی قلتین کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ (صفحہ ۲۲۰)

امام ابویوسفؒ کا اشارہ امام مالکؒ کے مسلک کی طرف ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک پانی کسی مقدار میں ہو جب تک اس کی صفات ثلثہ (رنگ، بو، مزا) نہ بدلے وہ پاک ہی رہتا ہے۔

امام شافعیؒ قلتین (دو بڑے مشکے) پانی کی مقدار کی شرط لگاتے ہیں کہ اتنی مقدار پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہؒ دہ در دہ پانی کی مقدار ضروری قرار دیتے ہیں —— اس مقدار سے کم پانی وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے، خواہ اس کی صفات میں تغیر ہو یا نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ فقہی مکاتب فکر کی چار میں تحدید اور پابندی چوتھی صدی ہجری کے بعد وقوع میں آئی۔

اس کی وجہ علامہ علی قاری کے الفاظ میں یہ تھی:۔

لو جوّزنا ذالک لادّی الی الخبط والخروج من الضبط وحاصلہ یرجع الی نفی التکلیف (مقدمہ شرح وقایہ ص۸)

اگر ہم ایک فقہی مکتب فکر سے دوسرے فقہی دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں تو اس سے مسلمانوں کی عملی زندگی میں انتشار ہو جائے گا اور معاشرہ کا نظم بگڑ جائے گا اور پھر آگے چل کر یہ انتشار شرعی پابندیوں سے آزاد ہونے کی صورت میں پہنچ جائے گا —— یعنی مسلمان عملی آسانیوں کی تلاش میں ادھر سے ادھر جانے کی کوشش کرے گا اور پھر

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی سہولت پسندی شرعی پابندی سے آزادیوں کی طرف جانے لگے گی۔ ـــــــ

یہ ہے تجزی تقلید اور تقسیم تقلید کے عدم جواز کا سبب ـــــــ

اسی لیے الحیلۃ الناجزۃ کے مرتب نے معترضین کے جواب میں یہ کہا کہ ترجیح اور تلفیق بین المذاہب شرعی ضرورت کے وقت ہو سکتی ہے ـــــ اس کا جواز صرف آسانیاں پیدا کرنے کے لیے نہیں ہے۔

تلفیق اور ترجیح کے علاوہ اجتہاد شرعی کی ضرورت کا مسئلہ بھی ہے ـــــ اجتہاد کے بارے میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے ہاں یہ تحقیق ملتی ہے۔

"مجتہد وہ ہے جو قرآن مجید، حدیث اور علوم شرعیہ میں اتنی دسترس رکھتا ہو کہ احکام شرعیہ کا استنباط کر سکے، مجتہد کا وجود ہر زمانہ میں ممکن ہے۔
(کفایت المفتی جلد ا ص۳۳۰)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"فقہاء کرام نے عہد اول کے بعد والوں کے لیے اتباع کا حکم دیا، اجتہاد کی اجازت نہیں دی تاکہ ہر کس و ناقص اجتہاد کے نام پر نظام شریعت میں دخل اندازی شروع نہ کر دے"

مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے اہل علم نے اس خطرہ کا انسداد اس طرح کیا کہ انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔

مولانا قاسمی کے اہم تحقیقی مقالات

ازواج مطہرات اور
بنات طیبات چھپ
گئی، دوسو صفحات

ایمان صادق کی
دنیاوی اور اخروی
برکتیں، دوسو صفحات

مشکلات موضح قرآن
اور مولانا شبیر احمد
عثمانی ؒ، دوسو صفحات

دین توحید
اسلام اور ہندوستان
کی قدیم مذہبی کتابیں،
دوسو صفحات

نفس امارہ،
نفس مطمئنہ و نفس
لوامہ کی قرآنی
اصطلاحات کی تشرح،

معراج النبی ﷺ پر
جامع مسجد دہلی کی
جامع تقریر

شہدائے حق
شہداءِ مکہ سے شہداء
کربلا تک، شہادت
پر جامع کتاب

ریڈیو تقاریر
کا مجموعہ، اسلامی تقریبات
رمضان المبارک، ربیع
الاول عید الفطر،
عید لاضحی، یوم عاشورہ

نظام توحید کے چار رکن
اسلام کی فتح مندی کی
حقیقی قوت

مولفۃ القلوب
کی قسمیں اور قرآن
کریم کی اس اہم اصطلاح
کی مکمل تشریح

وحی الہی کی حقیقت
کلام الہی قرآن اور
دوسری آسمانی
کتابوں کی حیثیت

عبدیت کے
مقامات کی تشریح اور
رسول پاک عبد خاص
الخاص، کا مقام بلند

وارث کتاب امت
کااعزاز اخروی امید
ورجاء کے مقامات

حضور علیہ السلام
اور مالک و مختار کا
بریلوی عقیدہ

قوت دفاع
دفاع بالحسنہ اور
دفاع بالسیف میں
شرعی ترتیب

انقلابی سیرت پاک
سیرت پاک کے
اجتماعی پہلو پاکستانی مطبوعہ

شریعت اسلام میں آسانی
اور طاغوت سے فیصلہ
کرانے کے مختلف درجات

قلبی امراض
اور روحانی بیماریوں
کی قسمیں اور قرآنی
تعبیرات

سیکولر دور سیاست میں
اسلام کی کامیاب رہنمائی
مختلف مضامین کا مجموعہ

معارف التفسیر بعض اہم
تفسیری مسائل کی
وضاحت

معاشرہ پر عورت کا
احسان، اسلام میں
عورت کا وقیع مقام

اسمائے گرامی معاونین

ڈاکٹر معین الدین بقائی صاحب صدر منتظمہ کمیٹی مدرسہ و مسجد حسین بخش، حاجی کمال الدین صاحب مٹھائی والے جامع مسجد، مالکان کتب خانہ رشیدیہ جامع مسجد، حاجی مقبول احمد صاحب آزاد فیکٹری تہور خان، بھائی عبد اللہ صاحب مچھلی والے اردو بازار، عالیہ خاتون صاحبہ زوجہ امجد حسین مرحوم کلاں محل، محمد عرفان صاحب پہاڑی اِملی، محمد اسحاق صاحب پتھر والے لال کنواں، صوفی قاری محمد تسلیم صاحب دیوبندی، عبد الحکیم اور برادران مینا بازار، عبد الوہاب صاحب موٹر مارکیٹ جامع مسجد، شمیم اختر صاحب کوچہ پنڈت گلی فرحت اللہ، حاجی محمد شفیع صاحب تاجر عطر و تیل ترکمان گیٹ، ضیاء الدین صاحب مینا بازار ۱۹۴، محمد اخلاق صاحب مینا بازار، صادق مرزا صاحب چاوڑی بازار، نصیر الدین صاحب پٹودی ہاؤس آصف علی پہاڑی بھوجلہ، محمد یٰسین صاحب قصاب پورہ محمد قاسم صاحب محلّہ قبرستان ترکمان گیٹ، عزیز اللہ، زبیر بیگ، محمد سعید انور رضا گیسٹ ہاؤس جامع مسجد، مولانا شبیر صاحب امام مسجد حسین بخش؛ محمد صادق جامع مسجد ٹیپ والے، محمد سلیم صاحب، عطاء الرحمان صاحب محمد رئیس صاحب، محمد عادل صاحب، جاوید انور صاحب رضاء گیسٹ ہاؤس جامع مسجد۔